Divine Revelation

The Late Allama G.L.Thakkur Dass

حکمتِ الالہامہ

مصنفہ

علامہ جی ایل ٹھاکرداس

امریکن یوپی مشن گجرانوالہ

امریکن ٹریکٹ سوسائٹی کیلئے امریکن مشن نے شائع کی

۱۸۹۱ء

حکمت الالہامہ

1891

Urdu

August.29.2006

www.muhammadanism.org

فہرستِ مضامین

تیسرا مقصد

چوتھا مقصد

دوسرا حصہ۔

الہامی علم الہٰی کے بیان میں

تیسرا مقصد

عیسویت شافی قدرت ہے

" میں مسیح کی انجیل سے شرماتا نہیں ، اس لئے کہ وہ ہر ایک کی نجات کے واسطے جوایمان لاتا خدا کی قدرت ہے"۔(رومیوں ۱: ۱٦)۔

تمہید

خدا کی اخلاقی حکومت

یہ امر ثابت کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتاکہ انسان نجات چاہتے ہیں کیونکہ اُن کی دینی رسومات اسی غرض سے ادا کی جاتی ہیں کہ وہ گناہ اوراُس کی سزا سے بچیں۔ اورالہامِ الہٰی کا بھی یہی ایک اعلیٰ مقصد ہے کہ انسان کیونکر نجا ت پائے۔اب نجات کے لئے اس قدرمختلف طریقوں کا ہونا انسان کوبڑی تشویش میں ڈالتاہے اوربعضوں کوکل مذہب کا منکرکردیتاہے۔حقیقت میں ایسی حالت گنہگارانسان کے لئے کچھ تسلی کی بات نہیں ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ حقیقت میں سارے طریقے صرف دواصولوں کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں۔ یعنی نجات اعمال سے ہے یا فضل سے ۔ دنیا کے قریباً سارے مذہبی طریقے پہلی بات اخلاقی وجود ہونے کا کیا شرطیں ہیں؟

اخلاقی وجود ہونے کی یہ شرطیں ہی یعنی عقل اور ضمیراورآزاد مرضی۔ اورچونکہ انسان میں یہ جوہرہیں لہذا ہم کوماننا پڑتا ہے کہ انسان اخلاقی وجود ہے۔ اورانسان فطرتاً جانتا ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے۔ ہرجنس جانداروں کی اپنی حیوانی عقل سے اپنی اپنی جنس کو جانتی ہے اورایک جنس اپنے تئیں دوسری جنس نہیں سمجھتی۔گھوڑا چوپایا ہے اور جانتاہے کہ وہ پرندہ نہیں اوراپنی جنس کے کام کرتاہے۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر یا کبوتر بازیاباز۔ اسی طرح انسان بھی فطرتاً جانتاہے کہ وہ اخلاقی وجود ہے اور محض حیوان مطلق نہیں ہے۔ اوراپنی طرز پر کام کرتاہے۔ یعنی عقل اور ضمیر اورآزاد مرضی والے کام اس سے صادر ہوتے ہیں بھلے ہوں خواہ بُرے ۔ اورپھر خداوند خالق میں بھی یہی جوہر ماننے پڑتے ہیں۔ کیونکہ اگرخالق میں نہ ہوتے تو مخلوق میں ازخود نہیں ہوسکتے تھے۔ اُن کے ہونے کا کوئی

مادہ یا سبب نہ ہوتا ۔ خدا آپ اخلاقی وجود ہے اس لئے اُس نے اخلاقی انتظام عالم میں قائم کیا۔ پس اخلاقی حاکم ہونے کے سبب سے وہ کُل عالم میں راستی کا محافظ ہے اوراس لئے دوسرے اخلاقی وجودوں سے اطاعت طلب کرتا ہے کہ راستی اورمحبت کوقائم رکھیں۔ اس راستی اورمحبت کے قوانین یہ ہیں:

- میرے حضورتیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو۔
- تواپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جواوپرآسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں جوزمین کے نیچے ہے مت بنا توان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اورنہ اُن کی عبادت کرکیونکہ میں خدا وند تیرا خدا غیر خداہوں۔
- توخداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ مت لے کیونکہ جواُس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اُسے بے گناہ نہ ٹھہرائیگا۔
- توسبت کا دن پاک رکھنے کےلئے یادکر۔ چھ دن تک تومحنت کرکے اپنے سارے کام کاج کر لیکن ساتواں خداوند تیرے خدا کاسبت ہے اس میں کچھ کام نہ کر۔ نہ تونہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی، نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی، نہ تیرے مواشی اورنہ مسافر جوتیرے پھاٹکوں کے اندرہو۔ کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اورزمین دریا اورسب کچھ جواُن میں ہے بنایا اورساتویں دن آرام کیا۔ اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اوراُسے مقدس ٹھہرایا۔
- تواپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اُس زمین پر جوخداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے درازہو۔
- توخون مت کر۔
- توزنا مت کر۔
- توچوری مت کر۔
- تواپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔
- تواپنے ہمسائے کے گھر کا لالچ مت کر۔ اپنے پڑوسی کی جورو اوراُس کے غلام اوراُس کی لونڈی اوراُس کے بیل اوراُس کے گدھے اورکسی چیز کا جوتیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر(خروج باب ۲۰)۔

انتظام قدرتی اورانتظام الہامی میں ہم عجیب موافقت دیکھتے ہیں۔ ہم نے معلوم کیا کہ اس عالم میں خدا کی اخلاقی

حکومت کی غرض راشی اورمحبت ہیں۔ اوریہی مُدعا اس کے کلام یعنی بائبل سے ظاہر ہوا۔ احکام مذکورہ محبت اور راستی پر مبنی ہیں۔ چنانچہ ان قوانین اخلاقیہ کے شارح اعظم سیدنا عیسیٰ مسیح نے دس احکام مذکورہ کا خلاصہ فرمایا کہ اول حکم یہ ہے کہ تو خداوند کوجوتیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اوراپنی ساری جان سے اوراپنی ساری عقل سے اوراپنے سارے زور سے پیارکر۔ اوردوسرا جواُس کی مانند ہے یہ ہے کہ تواپنے پڑوسی کواپنے برابر پیارکر۔(مرقس ۱۲: ۳۰)۔ انہیں دواحکام پر سب شرع اور سب انبیاء کی باتیں موقوف ہیں(متی ۲۲: ۴۰)۔

اب ایک طرف یہ شرع ہے جس پر خدا کی اخلاقی حکومت اوراُس کے کلام کی باتیں منحصر ہیں۔ اوردوسری طرف انسان کے اعلیٰ منصب کا خیال کروجسکی کیفیت ہم نے پہلے مقصد کے پہلے باب میں بیان کی ہے ہاں اس عقل اورضمیر اورآزادگی کا خیال کرو جوکل مخلوقات میں اُس کو اعلیٰ ٹھہراتے ہیں۔ بائبل بھی اُس کا ایسا ہی اعلیٰ مرتبہ بیان کرتی ہے" تب خداوند نے کہا کہ ہم انسان کواپنی صورت اوراپنی مانند بنائیں" کہ وہ سمندرکی مچھلیوں پر اورآسمان کے پرندوں پر اورتمام زمین پر اورسب کیڑے مکوڑوں پر جوزمین رینگتے ہیں سردارکریں۔ پیدائش ۱: ۲۴۔ اورنئی انسانیت کو جوخدا کے موافق راستبازی اورحقیقی پاکیزگی میں پیدا ہوئی پہنو۔ (افسیوں ۴: ۲۴) ایسے پاکیزہ اور پُر معرفت اورعالی منصب انسان کو وہ محسن اورعظیم شرع فرمائی۔ دونوں طرف کسی بات کی کسر نہ تھی۔ اس لئے نہایت واجب ہے کہ انسان اس شرع پر عمل کرتا۔ اورخوش رہتا مگرکیا انسان نے ایسا کیا۔

نہیں ۔ بالکل نہیں۔ ان قوانین سے تجاوزکیا۔ پاکیزگی جاتی رہی عقل تاریک ہوگئی۔خدا کے انتظام اوراخلاقی حکومت میں بھاری فساد ڈالا ہوا ہے۔ اورسزا کے لائق ہوگیا اورزندگی اورخوشی کے لائق نہیں رہا۔ اوریادرہے کہ سزا کوئی مصنوعی امرنہیں ہے بلکہ قدرتی ہے۔ اورلازمی ہے ۔ اوروہ موت ہے ۔ چونکہ انسان نے اخلاقی قانون سے تجاوزکرکے اپنا تعلق گناہ کے ساتھ کرلیا لہذا اخلاقی اورروحانی زندگی کے نزدیک وہ مردہ ہوگیا ہے۔ اورقدرتی تقاضی ہے کہ وہ ایسا ہی ہوجائے۔ اس کے مطابق کلامِ الہٰی میں انسان کی موجودہ حالت کوموت سے بیان کیا ہے"۔ جسمانی مزاج موت ہے پرروحانی مزاج زندگانی" (رومیوں ۸: ۶)۔ یعنی انسان روحانی زندگی کے دائرے

سے نکل گیا اورگناہ کی شریعت اور دائرہ میں آگیا ہے جیسے مچھلی پانی سے نکل کے خشکی پرآجائے۔ اورجس علاقہ میں ہوگیا ہے اُس کے نتیجے پاسکتا ہے اوروہ دکھ اورموت ہیں۔ یہ سزاتوانسان کو قدرت ہی کی طرف سے ہوئی ہے اورآخراُس کو ہمیشہ کی موت تک پہنچادیگی اوریوں ہمیشہ کی زندگی اورخوشی سے محروم رکھیگی۔ الہام کے ذریعہ سے خدا نے انسان کو اوربھی آگاہ کردیا ہے۔اوراگرچہ ہم ایک دوسرے کو چلتے پھرتے اور زندہ نظر آتے ہیں مگرخدا کی شریعت کے نزدیک مردہ ہیں کیونکہ اُس کی عدولی کی "یعنی گناہ کی مزدوری موت ہے"۔تم طبیعت سے غضب کے فرزند تھے"۔

اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوکہ کوئی چیز اپنے آپ قدرتی حالت کو بدل نہیں سکتی۔ البتہ وہ جواُس سے اعلیٰ ہے اُس میں تبدیلیاں کرسکتا ہے۔ پتھر اپنے تئیں نباتات کی قسم میں نہیں لاسکتے۔ اورجانور انسان نہیں بن سکتے۔ اسی طرح انسان اپنے تئیں کچھ اور نہیں بناسکتا۔ مگر اپنے اس ادنیٰ قسموں میں تبدیلیاں اورترقیاں کرواسکتا ہے۔ لیکن انسان اپنی موجودہ گناہ والی حالت کو جواب گویااسکی قدرتی حالت ہے روحانیت کی طرف بدل نہیں سکتا۔ اورنہ اس سے نجات پاسکتا ہے۔ انجیل مقدس کی تعلیم بھی اس کے موافق ہے" تم طبیعت سے غضب کے فرزند تھے"۔" پر تم فضل کے سبب ایمان لا کے بچ گئے ہو۔ اوریہ تم سے نہیں خدا کی بخشش ہے"(افسیوں ۲: ۳، ۸)۔ اس حال میں ظاہر ہے کہ جب تک روحانی عالم سے اس کے لئے امداد نہ پہنچے وہ روحانی عالم اوراُس کی خوشیوں سے بے نصیب رہیگا۔ اس بیان سے ہمیں یہ دوباتیں خوب معلوم ہوگئی ہیں کہ (۱)انسان کی حالت نہایت خطرناک ہے اورنااُمیدی کی حالت ہے(۲) قوانین قدرت میں اس کے بچنے صورت اورگنجائش نہیں ہے البتہ کسی اعلیٰ طریق سے بچ سکتا ہے۔ اس حال میں وہ طریق دریافت کرنا نہایت ضروری ہے جس سے ہم نجات پاسکیں۔" کیونکہ آدمی کوکیا فائدہ ہے اگر تمام جہان کوحاصل کرے اوراپنی جان کھودے۔ پھرآدمی اپنی جان کے بدلے کیا دے سکتا ہے"؟(متی ۱۶: ۲۶)۔ عالم کا ایسا حکمت اورراستی آمیز انتظام صاف ظاہر کرتا ہے کہ خدا انسان کے کاموں سے اورانسان سے بے پرواہ نہیں ہے اورانسان کوچاہیے کہ بے فکر نہ رہے پس وہ چیز جوانسان کواُس کی موجودہ حالت اوراُس

کے خطرناک نتیجوں سے بچائے اُس کو ہم انسان کے لئے شافی قدرت مانینگے۔

پہلی فصل

نجات ممکن ہے یا نہیں

اب سوال یہ ہے کہ گناہ اوراُس کی سزا سے نجات ممکن ہے یا نہیں ؟ اگرممکن ہے توکس طرح ممکن ہے؟ کیونکہ اگراس کے امکان کی صورت معلوم نہ ہوتو انسانی تجویزیں سب راہیگا ہیں۔

اولاً: کیا علم وہنر کے ذریعہ سے ممکن ہے؟ جاننا چاہیے کہ جسمانی قوانین اوراخلاقی قوانین ایک دوسرے سے جدا ہیں اوراپنے اپنے دائرے میں پوری پوری تعمیل کے متقاضی ہیں۔ ایسا کہ جسمانی قوانین کی تعمیل قوانین اخلاقیہ کے ثواب کا مستحق نہیں کرسکتی ۔ اورقوانین اخلاقیہ کی تعمیل قوانین جسمانی کے نتیجوں کا حقدار نہیں کرتی جب تک دونوں کی اپنے اپنے طورپرپوری پیروی نہ ہوتب تک دونوں کے نتیجے حاصل نہیں ہوسکتے۔اس لئے علم وہنر اورمال ودولت وغیرہ جوجسمانی قوانین کے موافق روش رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمیں روحانی زندگی نہیں دلاسکتے۔ کیونکہ روحانی زندگی صرف اُسی حال میں حاصل ہوسکتی ہے جبکہ ہم قوانین اخلاقیہ کے موافق روش رکھیں۔

ثانیاً ہم نے شروع تمہید میں بیان کیاہے کہ دنیا کے مذاہب میں چند رسومات اورہدائتیں اعمال حسنہ قراردی گئی ہیں اوراُن کو ادا کرنا نجات کا ذریعہ سمجھا جاتاہے۔ اب سوال ہے کہ کیا ان تجویزوں سے نجات ممکن ہے؟ چنانچہ لوگوں کی تجویز ہے کہ ساگ پات اور لکڑی اور پانی اورآگ اورہوم وغیرہ کے ذریعہ سے نجات ہوسکتی ہے۔ ان باتوں کا مفصل ذکر کسی اور فصل میں کیا جائے گاہنوز اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ سب جسمانی چیزیں ہیں اورجسمانی قوانین کے متعلق ہیں۔ ان کو کھانے یا پالنے سے اورجلانے یا بھگونے سے اورپانی کو پینے یا اُس میں نہانے سے یاگوگل جلانے سے اُن چیزوں یاہمارے جسموں کو وہ فائدہ یا نقصان ہوگا جوقانون جسمانی سے متصورہے۔ اورجوگن کہ خالق نے اُن میں نہیں دیا اوروہ انسان کی تجویز سے اُن میں نہیں آسکتا۔ خواہ ہم اُن کوکیسے ہی یقین کے ساتھ سیوا کیوں نہ کریں۔وہ اس فائدہ یا نقصان کے جواُن کی ذات میں ہے ہم کوکوئی

روحانی فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔چہ جائیکہ نجات انُ کے ذریعہ سےممکن ہو۔ایسی سب بُت پرستی اوررسم پرستی قانون قدرت کے خلاف ہے۔ اورالہام بھی اس کو رد کرتا ہے۔ یہی نجات کی تجویز نہیں لیکن عقل کی تاریکی اورگمراہی کی دلیلیں ہیں۔

یہی دوصورتیں تحصیل نجات کے لئے کُل دنیا پر جاری رہی ہیں اوراب بھی جاری ہیں۔ مگریادرہے کہ جب قوانین اخلاقیہ کی طرف دیکھتے ہیں تواُن کا تقاضی پوری تعمیل ہے۔ اوراگراس میں کسر ہویعنی گناہ ہو تو اس کی سزا لازمی روحانی موت اورپھر ہمیشہ کی موت ہے اورالہام بھی بڑے علانیہ طور سے کہتا ہے کہ گناہ کی مزدوری موت ہے۔تویہی آگ تاپنے اورگوگل سونگنے سے کس طرح ٹل سکتی ہے۔ غرضکہ ان چیزوں سے ہم نجات کاکسی طرح گمان بھی نہیں کرسکتے ایسی جسمانی چیزیں ہماری روحانی حالت کوبدل نہیں سکتی ہیں۔

ثالثاً۔ یہ سب توانسان کی سوچی ہوئی تجویزیں اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ خدا کی طرف سے نجات ممکن ہے یا نہیں۔ اس کے قوانین میں یا اسکی ذات میں گنہگار کی بخشش کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اوراصل بات یہی ہے۔کیونکہ اگرخدا کی طرف سے نجات ممکن نہ ہو توانسان کی آرزو اورکوشش سب عبث ہے۔ سومعلوم ہوکہ شرع توبخشش کوجانتی نہیں۔ پوری تعمیل یا سزا اُس کا تقاضی ہے۔ اورجب خدا کی راستی اورپاکیزگی کا خیال کرتے ہیں تونجات ناممکن ہوتی ہے۔ اُسکی وحدانیت سے بھی کچھ تسلی نہیں ہوسکتی ۔ ان صفات کی رو سے وہ راستی کا نگہبان ہے اورعدولی کی سزا لازمی ٹھہراتا ہے۔ اس سخت نااُمیدی میں خدا نے الہام کے ذریعہ سے بنی آدم کو یہ بشارت دی کہ خدا محبت ہے۔وہ آسمانی باپ ہے اوراُس کی پدرانہ محبت میں ہم نجات کا آسرا پاسکتے ہیں۔ محبت ہوکر وہ ہماری ہلاکت نہیں چاہتا۔ اورانسان کی نجات کے امکان کی یہی وجہ ہے۔ مگریادرہے کہ اس محبت سے بھی نجات فقط اس صورت میں ممکن ہوسکتی ہے اگرخدا راست ٹھہرے۔ ذیل ہم دریافت کرینگے کہ ایسی مشکل حالت میں محبت کا ظہورکیونکر ممکن ہے۔

دوسری فصل

کفارہ کی ضرورت

خداکی اخلاقی حکومت کے بیان سے ہم نے معلوم کیاکہ خدا نے اسکا ایسا انتظام کیاہواہے کہ اخلاقی قوانین کی تعمیل خوشی اورآرام کا باعث ہے اوراُن کی عدولی یعنی گناہ کی سزا لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ہم انتظام عالم میں ایک اورقانون بھی دیکھتے ہیں اوروہ:

(الف) اصول درمیانی ہے: جسمانی اوراخلاقی قوانین میں یہ صداقت مشترک ہے کہ ہر نتیجہ کا کوئی سبب ہے پر جب سبب کے لازمی نتیجہ کو دورکرنا ہو تو اُس کے لئے یہی انتظام پایا جاتاہے کہ کسی غیر شے یا قدرت کودرمیان لانے سے امرمطلوبہ حاصل ہوگا۔ جیسے زہر اوراُس کے نتیجہ ہلاکت کے درمیان زہر مہرہ زہر کے نتیجہ ہلاکت کوصحت سے بدل دیتا ہے۔ یونانی اورانگریزی اورویدک حکمت اس بات کی شہادیتیں ہیں۔ اورقدرت کے اس تقاضیٰ کے موافق لوگوں نے دنیا بھر میں شافی ذریعوں کو درمیان لانے کی ہدایت کی ہے۔پھردیکھو جہالت کے بُرے نتیجوں سے بچنے کےلئے علم وہنرکا درمیان لایا جانا ضروری ہے۔ انتظام عالم میں دیکھتے ہیں کہ خداوند خودبھی بُرے نتیجوں کو دورکرنے کےلئے وسیلوں کو درمیان لاتاہے۔ یایوں کہیں کہ اُس نے ایسا ہی مقررکیا ہواہے۔ جیسے خشک سالی کے مہلک نتیجوں سے بچنے کے لئے ابرباراں کو درمیان لاتاہے۔ اورخاص حالتوں میں غیر معمولی قدرت کو درمیان لاتاہے۔ جس کا گوعمل ظاہر نہ ہو مگرنتیجہ ظاہرہوجاتاہے۔ اوریوں اُن نتیجوں کوجواپنے اپنے اسباب کے تقاضی کے موافق ہونے والے تھے بدل دیا۔ معجزات اس قسم کی باتوں میں شامل ہیں۔ یہی اصول اخلاقی باتوں میں بھی ہے۔ گناہ ایک مہلک سبب ہے۔ سوگناہ اوراُس کی سزا میں ایسا درمیانی ہونا ضرورہے جوگناہ کی سزا کو ہمارے اوپر سے ٹال دے۔ ہاں ایسا کرنے کہ گناہ تورہے مگر اُن کا نتیجہ سزا نہ رہے بلکہ ہم نجا ت پائیں۔ موت سے بچانے کے لئے زندگی کا درمیان آنا ضرور ہے۔ سوہم بچ سکتے ہیں اگر کہیں زندگی ہو۔

(ب) اس اصول کی بنا پر ہم دنیا بھر میں دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے طرح طرح کے وسیلے نجات کےلئے تجویزکئے ہیں۔ جن میں سے بعض صرف خیالی آسرے ہیں اوربعض عمل میں لائے جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے بعض درمیانی یاکفارہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ۔

(ا) بعضوں کا یہ بڑا پیارا گمان ہے کہ محبت ہوکر بلاکسی قسم کے حساب کتاب کے گنہگارکو بخش سکتا ہے یا بخش دیگا۔ جن لوگوں کو ایسا گمان ہے وہ اصل میں خدا کو کبھی تقصیر وار ٹھہراتے ہیں۔ اوروہ اسطرح سے کہ ایک حاکم اورایک معمولی آدمی کے فرائض کویکساں خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے چنانچہ ایک معمولی شخص جس کو عدالت کی زمہ داری نہیں ہے چاہے کتنے ہی قصور اپنے دوستوں یادشمنوں کے معاف کیا کرےاس سے کچھ ہرج نہیں ہوگا کیونکہ وہ انتظام عدالت کا ذمہ وارنہیں ہے۔ پر اگرکوئی بادشاہ یاحاکم جوملک میں راستی اورانصاف کو قائم رکھنے کا ذمہ دارہے۔ اورشرع کا محافظ ہے اگروہ کسی گنہگار کو بے عقوبت چھوڑدے یاسبھوں کوچھوڑاکرے توامن ملک میں اورمحافظت شرع میں فرق آئیگا۔ اورایسا کرکے اپنے منصبی فرائض کے رو سے وہ خود خطا کارٹھہریگا۔ اورمثلِ کسی مجرم کے شرع سے تجاوزکرنے والا ہوگا۔ اسلئے انجیل مقدس میں ہدایت آئی ہے یعنی لوگوں کوکہ ایک" دوسرے کو بخشا کرو"۔ اپنا انتقام مت لو کیونکہ خداوند کہتاہے انتقام لینا میراکام ہے میں ہی بدلا لونگا"۔ مگر خدا جوراستی کا بانی اور اپنے لئے آپ ہی شرع ہے اوراُس کا محافظ ہے یونہیں اندھا دھندھ کیونکر گنہگارکوبخش سکتا ہے۔ سودھوکہ میں نہ رہنا چاہیے اورجھوٹی چالیں نہ سوچنی چاہئیں۔ بے شک خدا محبت ہے اوراس وجہ سے ہماری نجات کے امکان کا گمان ہوسکتاہے۔ مگراس بات کوبھی یادرکھنا چاہیے کہ وہ محبت اس حال میں نجات کیونکر دے سکتی ہے؟ فقط اس صورت میں کہ خدا راست ٹھہرے اورانسان بھی بچ جائے مگرراستی اورانصاف سے تجاوزکرکے وہ حاکم الحاکمین گنہگار کوچھوڑنہیں سکتا۔ اس لئے اصول درمیانی کی رو سے درمیانی کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے مطابق انجیل مقدس میں خدا کی محبت کے ظہورکی یہ صورت بتلائی گئی ہے کہ" خدا نے اپنی محبت ہم پریوں ظاہر کی کہ جب ہم گنہگار ٹھہرے تھے مسیح ہمارے واسطے موا"(نامہ رومیوں ۵: ۸)۔ سولازم ہے کہ خواہ مخواہ واہی خیالوں میں نہ پڑیں[1]۔

---

[1] دراصل واجبی بدلا خداہی لے سکتاہے۔ کیونکہ قوانین اخلاقیہ کی منزلت اوروسعت کی جوواقفی اورقدرخدا کو ہے وہ انسان کونہیں ہے۔ اس لئے لوگ آپس میں خطاؤں کا واجبی بدلا نہیں لے دے سکتے ۔ ملکی کچہریوں کی سزائیں بھی محض اٹکلیں ہیں۔

۲۔ اگنی ہوتری صاحب اپنے رسالہ پاپ اورامرجیوں کے صفحہ ۲۶، ۲۷ میں پاپ اوراُس کے کفارہ کا یوں بیان کرتے ہیں کہ" پاپ کی اصل سزا اوراُس کے ساتھ کشمکش اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جس وقت سے پاپی پاپ جیون سے پھر کر نئی زندگی میں قدم رکھتا ہے۔ اُس حالت میں دل کے اندرہی اندر ایک ایسی آگ سلگنی شروع ہوتی ہے جس کی جلن سے دل کو بڑی خوفناک تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی دل کی جلن کو انوتاپ کی آگ کہتے ہیں ۔ روحانی انوتاپ یا جلن ہی پاپ کی سزا یا اُس کا اصل کفارہ ہے"۔

اولاً: یہ روحانی جلن وہی بات ہے جس کوتوبہ کہا جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ گناہ کرکے بعض لوگ پچتاتے ہیں۔ اورآئندہ ویسے گناہ سے باز رہنے کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ توبہ گناہ کی سزا کا عوض یاکفارہ نہیں ہوسکتا۔ یہ بات اس حالت میں کفارہ ہوسکتی ہے۔ اگر شرع میں کچھ تخفیف ہوگئی ہو یا تبدیلی ہوگئی ہوجس کی وجہ سے ایسی رعائیتیں سزا میں ہوسکیں۔ اورہم خدا کے قوانین کو اپنی مرضی کے موافق نرم یاسخت نہیں کرسکتے۔

ثانیا: یہ انوتاپ یادل کا جلن جس کا اگنی ہوتری صاحب ذکر کرتے ہیں یہ کیفیت رکھتا ہے کہ جب انسان کوکسی ذریعہ سے اپنے گناہوں کی سوچ آتی ہے اوروہ گویا جاگ اٹھتا ہے توجیوں جیوں خدا کی شریعت کے تقاضی اوراپنی عدد لیاں یادآتی ہیں تواپنے تئیں بڑا گنہگار جانتا ہے۔ اورکوئی چیزاس کویہ یقین نہیں دلا سکتی کہ خدا بخشنے والا خدا ہے۔ اس حالت کی بابت پولوس رسول یہ بیان کرتا ہے کہ " دوسری شریعت اپنے عضوؤں میں دیکھتا ہے جومیری عقل کی شریعت سے لڑتی اورمجھے اس گناہ کی شریعت کوجومیرے عضوؤں میں ہے گرفتارکرتی ۔ آہ میں توسخت مصیبت میں ہوں اس موت کے بدن سے مجھے کون چھڑائیگا" (رومیوں ۷: ۲۳، ۲۴)۔اب یہ حالت اپنا خودہی کفارہ نہیں ہوسکتی بلکہ محتاج ہے کہ کوئی اُس کو تسلی اورامید رہائی کی دے۔ اوراس حالت میں آکر اگرانسان نیکی کرنا چاہے توبھی نہیں کرسکتا بلکہ بدی جسکووہ نہ چاہے موجود ہوتی ہے[1]

[1] ایسی خواہش بعض وقت آدمی کے دل میں آتی ہے کہ وہ شریعت کو حق مانے اورپاکیزگی کو پسند اورگناہ کو ناپسند کرتے اورچھوڑنا چاہے مگرمحض اس آروز کے سبب بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ شریعت عمل طلب کرتی ہے مگرگناہ جواُس میں بستہ ہے

رابعاً: توبہ کونجات کا ذریعہ تصورکرنا ظاہرافائدوں کے بجائے نقصان کا موجب ہے۔ اوروہ اُس حال میں زیادہ اگر خدا اپنی اخلاقی شریعت میں اس کا تجاوزکا فدیہ قرار دیتا ۔ دیکھو کہ توبہ کرنے سے گناہ کے نقصان فی الواقعی دورنہیں ہوجاتے جب ایک آدمی دوسرے کا نقصان کرتا ہے توتوبہ کرنے سے وہ نقصان دورنہیں ہوجاتا اوراگرشریعت میں توبہ بھی ایک قانون ہوتایعنی توبہ گناہ کا عوض قرار دیا جاتا تویہ امر انسان کے لئے گناہ کواوربھی سہل کرتا ہے،گناہ کرکے صرف افسوس کردیتے اورنجات ہوجاتی۔ عمربھر جوچاہیں کریں اورساتھ ہی افسوس کرتے رہیں تونجات بھی ساتوں ساتھ ہوتی جائیگی۔ یہ کیسی خطرناک تعلیم ہے نئی زندگی کی کچھ ضرورت نہیں رہتی، مگریادرہے کہ توبہ صرف آئندہ اصلاح کے اقرارکا خیال کرواتی ہے، مگرپچھلے دھبوں کا عوض نہیں ہے۔ اورآئندہ اصلاح کے اقرارپربھی انسان برابر نیکی نہیں کرتا اورنہ کرسکتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ توبہ انسان کے لئے ضروری ہے مگر انکاراس بات سے ہے جب کہا جاتا ہے کہ توبہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ اورظاہرہے کہ توبہ وغیرہ وہ درمیانی یاقدرت نہیں ٹھہرتے جس کی ہم تلاش میں ہیں، یعنی ایسے درمیانی کے جوگنہگار انسان کوخدا کے عدل سے بچانے کی صورت ہو اورخدا اپنی محبت کے ظہورمیں راست ٹھہرے۔

(ج) اب سوچو کہ اگرخدا شریروں کونیست ونابود کردے تو خدا کی اخلاقی حکومت قائم نہیں رہتی، اورچونکہ اسکو یہ حکومت قائم رکھنی منظور ہے توشریر گنہگار انسان نیست نہیں کیا جاتا مگر نافرمانی کے سبب سزا کے لائق ہے۔ اورچونکہ ظاہر ہوگیا ہے کہ خدا محبت ہے لہذا انسان کا بچنا بھی ضروری ہے مگراسی طرح نہیں کہ شریعت کے تقاضی ردکئے جائیں کیونکہ وہ رد نہیں ہوسکتے، اس حال میں گنہگارکی سزا کے بجائے نجات دینے کے لئے درمیانی ضرور ہے۔

اسی بناء پر انجیل مقدس میں بھی کفارہ کی ضرورت بیان کی گئی ہے" اسلئے کہ سبھوں نے گناہ کیا اورخدا کے جلال سے محروم ہیں۔ سووہ اُسکے فضل سے اس مخلصی کے سبب جوسیدنا مسیح سے ہے مفت راستبازگنے جاتے ہیں۔ جسے

وہ عمل نہیں کرنے دیتا۔رومیوں ۷: ۱۹، ۲۰ اس لئے خواہ وہ کچھ ہی سوچیں مگرخراب خستہ حالت میں ہیں۔

خدا نے پیش کیا کہ ایک کفارہ ہوجواُس کے لہو پر ایمان لانے سے کام آئے۔ تاکہ وہ اپنی راستی اگلے وقت کے گناہوں سے صبرالہٰی کے باعث طرح دینے میں ظاہر کرے۔ اوراس وقت کی بابت بھی اپنی راستی ظاہر کرے تاکہ وہ آپ ہی راست رہے۔ اوراسے جویسوع پر ایمان لائے راستباز ٹھہرائے" (رومیوں ۳: ۲۳، ۲۶)۔ اس سے ظاہر بھی ہے کہ خدا نے اگلے وقت اوراسوقت میں اپنی محبت یا فضل کوراستی کے ساتھ ظاہر کرنے کےلئے کفارہ دلوایا۔

(د) دنیا کی دینی تواریخ اس بات کوظاہرکرتی ہیں کہ لوگ عموماً کفارہ کی ضرورت کے قائل رہے ہیں۔ نہ صرف توریت میں بلکہ دیگر مذاہب اوررسموں میں یہ بات ظاہر ہے کہ گناہوں کے واسطے کوئی نہ کوئی تجویز ایسی درمیان لائی جاتی رہی ہے جس سے خدا یا دیوتوں کی ناراضگی دورہوجائے۔خیال رہے کہ ہرایک دینی رسم جوخدا یا دیوتوں کوخوش کرنے کےلئے ادا کی جاتی ہے اُس کو کفارہ یا عیوض کہا جاسکتا ہے۔ عبادت خواہ کسی قسم کی ہولوگ اُس کے ذریعہ گناہوں کی سزا سے بچنے کی توقع رکھتے ہیں ۔ قربانی خواہ اونٹ یاگائے یاگھوڑے یابکری یا انسان کی ہو اس سے بھی یہی امید رکھی جاتی تھی۔ اوراب بھی رکھی جاتی ہے۔ لیکن ان کفاروں پر لوگوں کا یکساں یقین نہیں رہا ہے۔ سواس حال میں غورطلب امریہ ہے کہ جس حال میں گناہ کی سزا بچنے کے لئے کفارہ ضروری ہے تووہ کونسا کفارہ ہے جوشافی کفارہ ہوسکتا ہے۔

تیسری فصل

کفارہ مسیح

نجات کے مسئلہ کو نہ چاہیئے کہ ہم ایک ہلکی سی بات خیال کریں یا بے پروائی سے اس پر سرسری نگاہ کریں۔ پہلے ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے کس کا گناہ کیا ہے؟ یعنی کس کی شریعت کی عدولی کی ہے اوراُسی کے سامنے معافی کے لئے عرض کرنی چاہیے اورایسا ہی وسیلہ یا درمیانی ڈھونڈھنا چاہیے کہ جس میں گُن ہوکہ خدا کےساتھ انسان کا میل کراوے۔ دیکھو اگر ایک آدمی دوسرے کا نقصان کرے اورایک جنڈ کے درخت سے جا کے معافی مانگے تویہ کیسا بیہودہ خیال کیا جائیگا۔ایسا ہی بیہودہ پن اس بات میں ہے کہ گنہگار خاد کے ہوئیں اورنیچر کی چیزوں کی خدمت کریں تاکہ خدا معاف

کرے۔ اسی طرح اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہرچیز گناہوں کا کفارہ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ درمیانی جوسبب کے لازمی نتیجہ کو بدل سکے ضرور ہے کہ اس میں یہ خوبی ہو کہ ایسا کرسکے۔ مثلاً پانی میں ڈوبنے سے بچنے کے لئے لوہے یاپتھر پر سوار نہیں ہوتے۔لیکن جہاز اورکشتیاں درمین لائی جاتی ہیں بھوکھہ مٹانے یا بھوکھہ کے مارے مرجانے سے بچنے کے لئے مٹی یا لکڑی وغیرہ پرگزارن نہیں کرسکتے۔ بلکہ نباتات یا گوشت استعمال کئے جاتے ہیں۔ اورایسا نہ کرنا خلاف فطرت ہوگا۔اوربجائے اسکے کہ پانی یابھوکھہ سے بچیں ہلاکت زیادہ یقینی ہوگی۔ اسی طرح ہم کو جاننا چاہیے کہ نیچر کی چیزیں جوہماری دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہیں گناہوں کا کفارہ نہیں ہوسکتیں ہیں۔ اوراس بات کے فیصلہ کے لئے جانوروں میں خواہ وہ کنعان میں قربانی کے لئے جائیں اورخواہ ہندوستان میں یہ توفیق نہیں ہے کہ گناہوں کا کفارہ ہوسکیں پولوس رسول کا خط عبرانیوں کوغور سے پڑھنا چاہیے اور خصوصاً باب ۹: ۱۰ تا ۱۴ ۔ اسی طرح مکہ اور گنگا جسمانی چیزیں ہیں اورہماری ناپاکی اورسزا کودورنہیں کرسکتی ہیں۔ دونوں باتوں میں کچھ نسبت ہی نہیں ہے۔ اورکلمہ اورگائیتری اورجپ جی جو صرف لفظی تکرارہیں انسان کے گناہوں کے لئے کوئی واقعی کفارہ نہیں ہیں۔ اورنہ ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ اپنے آپ میں کچھ قدرت نہیں رکھتے لوگوں نے پاکیزگی کوکچھ چیز نہیں سمجھا اورگناہ اوراُس کی سزا کی شدت نہ جان کر ثواب آخرت کے لئے ایسے سہل طریقے ایجاد کرلئے ہوئے ہیں۔ مگرحقیقت میں جب انسان اخلاقی قوانین کے تقاضی کو کہ" یہی کرتوجیئگا" (لوقا ۱۰: ۲۸)۔ اورعدولی کی سزا کوسمجھتا ہے توایسی باتوں پر اُس کا یقین قائم بھی نہیں ہوسکتا۔ یادرکھنا چاہیے کہ انسان سزا سے فقط اُس صورت میں بچ سکتا ہے کہ اس کو بچانے میں خدا راست ٹھہرے۔ اورجواصول درمیانی کاہم نے معلوم کیا اُس کو گناہ اوراُس کی سزا کے درمیان لانے سے سزا کا تعلق درمیانی کے ساتھ اورنجات کا تعلق گنہگارکے ساتھ ہوسکتا ہے۔ قوانین قدرت والی طرزمحبت الہٰی نے اختیارکی جس کا واقع ہونا انجیل مقدس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ " خدا نے اپنی محبت ہم پریوں ظاہر کی کہ جب ہم گنہگار ٹھہرے تھے مسیح ہمارے بدلے موا"(رومیوں ۵: ۸)۔ " خدا اورآدمیوں کے بیچ ایک آدمی درمیانی ہے وہ مسیح یسوع"(۱تیمطاؤس ۲: ۵)۔ اب پیشتر اُس سے کہ اُس واقعی

کفارہ کا بیان کیا جائے یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ مسیح یسوع کون تھا، اوراُس میں کیا خوبی اورکیا قدرت تھی جس کے سبب وہ ہمارا درمیانی یاکفارہ ہوسکتا تھا۔

دنیا میں کفارہ مسیح کا اشتہار

واضح ہو کہ کفارہ مسیح کونجات کے انسانی وسیلوں پریونہی ترجیح نہیں دی جاتی ہے۔ کیونکہ فقط اُسی کووسیلہ نجات کا قراردینا اعلیٰ اورنادروجوہات پر مبنی ہے۔ دیکھو دنیا کی نجات ایسی گراں قدراورضروری ہے کہ نجات دینے والا دنیا کی پیدائش سے پیشتر مقرر ہوگیا تھا۔(۱پطرس ۱: ۲۰) اورجب انسان کا زمانہ آیا توخدا نے اُس کوکئی طرح سے مشتہر کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ یہ بھید" قدیم زمانوں سے پوشیدہ رہا۔ مگرنبیوں کی کتابں کے وسیلے خدائے ابدی کے حکم کے مطابق اب ظاہرہوا" (رومیوں ۶: ۲۵، ۲۶)۔ چنانچہ۔

اول نبیوں کی کتابوں کا یہ بیان ہے کہ جب آدم وحوا نے گناہ کیا اوراُن پر یہ فتویٰ کہ " جس دن اُس سے کھائیگا تو ضرورمریگا" جاری ہوگیا۔ توخدا نے اُس ابتدائی زمانہ میں اُس منجی کا وعدہ فرمایا اوراُس موعود کوشیطان پر غنیم ٹھہرایا جس نے آدم کوخدا کی فرمانبرداری سے منحرف کردیا اوراپنا فرمانبردارکرلیا تھا"۔ میں تیری نسل اورعورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالونگا۔ وہ تیرے سرکوکچلیگی اورتواُس کی ایڑی کوکاٹیگا" (پیدائش ۳: ۱۵) جوجولعنتیں آدم وحوا پرپکاری گئیں وہ اُسی وقت سے جاری ہوگئیں مگریہ وعدہ ناتمام رہا۔(صرف ایمان اس امید کی ہوئی چیزکا ثبوت رہا) تاوقتیکہ جیسا خدا نے چاہا کوئی خاص قوم اورخاص گھرانا معین نہ ہوا جس میں وہ منجئی موعود ظہورفرمادے۔ اوراس بات کے لئے ابراہام کی نسل اوراُس میں سے داؤد کا گھرانا چنا گیا، چنانچہ ابراہام کو کہا گیاکہ " زمین کے گھرانے تیری نسل سے برکت پائینگے" (پیدائش ۲۲: ۱۸ مقابلہ گلتیوں ۳: ۱۶)۔ اورداؤد کی بابت کہا گیا کہ" خدا نے اُس سے قسم کھائی کہ میں تیری نسل سے مسیح کو جسم کی رو سے ظاہر کرونگا کہ تیرے تخت پر بیٹھے (اعمال ۲: ۳۰، بمقابلہ زبور۱۳۲: ۱۱اوریرمیاہ ۲۳: ۵، ۸)۔ پھر داؤد کی بیٹیوں میں سے ایک کنواری کی بابت کہا گیا کہ " دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اوربیٹا جنیگی اوراُ سکا نام عمانوئیل رکھیگی" (یسعیاہ ۷: ۱۴، اورمتی ۱: ۲۲تا ۲۳)۔ یہ بیٹا وہ نسل ہے جس کی بابت شروع میں کہا گیا تھاکہ عورت کی نسل سانپ

یعنی شیطان کے سرکوکچلیگی اوروہ اُس کی ایڑی کوکاٹیگا"اوراس ڈسے جانے یعنی اُس موعود ممسوح کی موت کی بابت دانیل نبی نے صاف خبردی کہ" باسٹھ ہفتوں کے بعد مسیح قتل کیاجائےگاپر نہ اپنے لئے (۹: ۲۶اوریسعیاہ باب ۵۳)۔بموجب اس کل بندوبست کے جب مسیح نے ظہور فرمایا تواُس زمانہ میں لوگ اُس کی انتظاری کررہے تھے، اوراُسکی ولادت کی خبرفرشتوں اورایک ستارہ کے ذریعہ سے پھیلائی گئی ۔ اور شمعون نے روح کی ہدایت سے اورایک دیندار بیوہ انابنت فانوایل نے لوگوں کواُس کی بابت کہا۔(لوقا باب ۲)۔

دوم۔دنیا کی اورقوموں میں بابل اورنیزقین کی نسلوں کے ذریعہ سے اس بات کا رواج واعتبارکروایا گیا کہ قربانی خدا کوراضی کرنے کاذریعہ ہے۔ چنانچہ ہر قوم میں اس منشاء کے لئے جانوروں کی قربانی کا رواج ہوگیا اوراب تک ہے۔ یہ کارروائی اس بات کے لئے کل دنیا کی متفق گواہی ٹھہری کہ" بغیر لہو بہائے معافی نہیں ہوتی"۔ اورساتھ ہی اب دنیا کی قومیں یہ بھی سمجھ سکتی ہیں کہ حقیقت میں " ہونہیں سکتا کہ بیلوں اوربکروں کا لہو گناہوں کو مٹائے"۔ اوراگراُنکی قربانی میں کچھ تاثیر سمجھی جائے توکتنا زیادہ مسیح کا لہو جس نے بے عیب ہوکے ابدی روح کے وسیلہ آپ کوخدا کے سامنے قربانی گزارنا تمہارے دلوں اورعقلوں کو مردہ کاموں سے پاک کریگا"(عبرانیوں ۹: ۱۴)۔ قوم بنی اسرائیل نے اوردنیا کی اوراکثر قوموں نے بیلوں اوربکروں وغیرہ کی قربانی کوچھوڑدیا ہے اوراس قربانی اعظم کو مان لیا ہے تو اے ہندوستان کے گھرانوں تمہیں کیا عذر ہے؟

مذکورہ تشہیر کی بہ نسبت توریت میں زیادہ تر واضح خبرکفارہ مسیح کی ملتی ہے۔ اُس میں قسم قسم کی قربانیاں طرح طرح کی خطاؤں کے لئے مامور ہوئی ہیں۔ اوراگرچہ توریت میں صاف بیان نہیں ہوا ہے کہ وہ سب قربانیاں مسیح کی قربانی کی پیش خبریاں تھیں اورنہ یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اُن کو اس امید کے ساتھ ادا کرتے تھے کیونکہ وہ اُن قربانیوں میں ایسے الجھائے گئے کہ فقط انہیں ادا کرنا ثواب جانتے تھے توبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قربانیاں ایک آنے والی قربانی کا سایہ تھیں۔ قربانیوں کی بابت احبار۱۶ میں خطا کی قربانی اورسوختنی قربانی کا حکم ہوا ہے۔یہ قربانیاں لوگوں کی خطاؤں کے لئے عوض یابدلہ تھیں۔ جانوروں کی قربانی میں خون میں تاثیر قراردی گئی تھی ۔ لہو کفارہ گاہ پر اوراُس کے

آس پاس چھڑکا جاتا تھا اوراُس میں پاک کرنے کی تاثیر بتلائی گئی اوراُسی میں کفارہ کی تاثیر قراردی گئی ہے (دیکھو احبار ۱۷: ۱۱تا ۱۴)" بدن کی حیات لہو میں ہے سومیں نے مذبح پر وہ تم کو دیا ہے کہ اُس سے تمہاری جانوں کے لئے کفارہ ہو۔ کیونکہ وہ جس سے کسی جان کا کفارہ ہوتا ہے سولہول ہے۔ اس لئے میں نے بنی اسرائیل کو کہا کہ تم میں سے کوئی خون نہ کھائے وغیرہ۔ اب ان قربانیوں کی بابت خبردی گئی تھی کہ " ہفتے کے بیچ ذبحیہ اورہدیہ موقوف کریگا"۔ (دانیل ۹: ۲۷)۔ اورجب مسیح قربان ہوا تو وہ قربانیاں موقوف ہوگئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ مسیح تک تھیں۔ اوراُن میں اورمسیح میں سایہ اوراصل کی نسبت تھی۔ اورپولوس یہودیوں کوجوقربانیوں کے اس مدعا سے ناواقف تھے جتاتا ہے کہ شریعت آنے والی نعمتوں کا سایہ ہے اوراُن چیزوں کی حقیقی صورت نہیں (عبرانیوں ۱۰: ۱)۔ اور زبور ۴۰: ۶، ۷۔ سے انکا اختتام بیان کرتا ہے۔اورکہ خدا کو اُن کی خواہش نہیں ہے حالانکہ وہ شریعت کے موافق گذرانی جاتی تھیں تب مسیح کی بابت یہ خبردی گئی کہ دیکھو میں آتا ہوں کہ تیری مرضی بجالاؤں۔ اوربھی دیکھو میکاہ ۶: ۶، ۷ وہ قربانیاں اوررسمیں اصلاح کے وقت تک مقرر تھیں (عبرانیوں ۹: ۱۰) یعنی مسیح سردار کاہن تک ۔ ہاں عہد اس نئے عہد تک تھا جسکے جاری ہونے کی خبریرمیاہ نبی نے دی تھی(یرمیاہ ۳۱: ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴)۔ پس قربانی خواہ بنی اسرائیل میں اورخواہ غیر قوموں میں رواج دی گئی سب کا منشاء اوراشارہ اُس قربانی اعظم کی طرف تھا جوسیدنا مسیح نے اپنے آپ کو گذرانی۔ ناواقف اوربھولے ہوئے لوگ اب واقف ہوجائیں۔

مسیح کی ذات عظمت اورقدرت

وہ نجات دہندہ جوازل سے مقرر ہوا اورجوعورت کی نسل سے ہونے کوتھا اورجس کی آمد کا زمانہ نبیوں کی معرفت معین ہوا اورجانوروں کی قربانیاں اُسکی پیشروی کے واسطے مقررہوئیں۔ جب وہ " وقت پورا ہوا تب خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جوعورت سے پیدا ہوکے شریعت کے تابع ہواتاکہ اُن کو جوشریعت کے تابع ہیں مول لے"(گلتیوں ۴: ۴، ۵) اورجب وہ ظاہر ہوا تواُس نے پہلے یہ ثابت کیاکہ میں وہی موعود ہوں۔ اوراس بات سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے پوچھاکہ" لوگ کیا کہتے ہیں کہ میں جوابن آدم ہوں کون ہوں؟" اوراس

جواب کہ کو" تومسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے درست کہا" (متی ۱۶باب) اب مسیح کی ذاتی عظمت اور قدرت دوباتوں میں تھی۔ایک اُس کی الوہیت میں اوردوسرے اُسکی انسانیت میں اورجن چیزوں کو لوگ درمیانی مانتے ہیں اُن میں محض انسانیت والی فضیلت بھی نہیں ہے اورنہ ہوسکتی۔

مسیح کا نام یسعیاہ نبی عجیب لکھتا ہے(۹: ۶)۔ اوراس عجیب کوایک بھید کرکے لکھا ہے بالااتفاق دینداری کا بڑا بھید ہے یعنی خدا جسم میں ظاہر کیاگیا(۱تمطاؤس ۳: ۱۶) اسی کویوحنا رسول لکھتا ہے کہ"کلام مجسم ہوا" یہ وہی بات ہے جورسول نے دوسری جگہ یوں بیان کی ہے کہ" الوہیت کا ساراکمال اُس میں مجسم ہورہا(کلسیوں۲: ۹)۔ اوراس بات کو سیدنا مسیح نے اپنے حق میں یوں بیان کیا کہ باپ جومجھ میں رہتاہے وہ یہ کام کرتا ہے (یوحنا ۱۴: ۱۰) اس الوہیت کے لائق اعلیٰ طور سے ایک پاک جسم تیارکیا گیا (لوقا ۱: ۳۵) غرضیکہ اس طورسے وہ خدا کے " جلال کی رونق اوراس کی ماہیت کا نقش ہوکے سب کچھ اپنی ہی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ وہ آپ سے ہمارے گناہوں کوپاک کرکے بلندی پر جناب عالی کے دہنے جابیٹھا" (عبرانیوں ۱: ۳)۔ اس بیان سے مسیح کی ذاتی منزلت اورقدرت اوراُنکی وجہ سے اُس کا کام صاف ظاہرکیا گیا ہے۔ یہ سارا انتظام اسی لئے کیا گیا کہ مسیح کفارہ دینے کے قابل ہوجائے۔ چنانچہ رسول مسیح کے کفارہ میں اس قابلیت کو پیش کرتا ہے کہ " کتنا زیادہ مسیح کا لہو جس نے بے عیب ہو کے ابدی روح کے وسیلے آپ کو خدا کے سامنے قربانی گذرانا تمہارے دلوں اور عقلوں کو مردہ کاموں سے پاک کریگا تاکہ تم زندہ خدا کی عبادت کرو"(عبرانیوں ۹: ۱۴)۔

اس سے دو اعتراض دورہوئے ایک یہ کہ اگر کہا جائے کہ محض ایک آدمی گناہوں کا کفارہ نہیں ہوسکتا تویہ ناممکن امرممکن کیا گیاکہ "کلامِ مجسم ہوا" یعنی خداکا ساراکمال اُس میں مجسم ہوا" اوراگر کہا جائے کہ خدا دکھ نہیں اٹھاسکتا اورنہ مرسکتا ہے (اوریہ درست بھی ہے) تواس حادثہ کو برداشت کرنیکے لئے ایک جسم تیارکیاگیا۔ اوریوں مسیح میں الوہیت اورپاک انسانیت ہونے کی وجہ سے وہ کفارہ دینے کےلئے ہرطرح قابل تھا۔ یہ کچھ ضد اور حسد کا محل نہیں ہے سب انسان نجات چاہتے اورسب ہی کسی نہ کسی طرح کا کفارہ درمیان لاتے ہیں صرف یہ سوچنا چاہیے کہ کونسا کفارہ

نجات کے لئے کافی اورشافی ہوسکتا ہے۔ذیل میں اُس کفارہ کا بیان آتا ہے جودنیا کی حکمت کے برخلاف خدا کی دانائی اورحکمت نے انسان کے لئے تجویز کیااورجس سے گنہگاروں کی نجات حاصل کرنیکی راہ کھل گئی ہے۔

کفارہ مبارک

واضح ہو کہ کفارہ کی بابت توریت میں یوں لکھا ہے کہ اپنی خطا کی قربانی اوراپنی سوختنی قربانی گذران اوراپنے لئے اور قوم کے لئے کفارہ دے۔(احبار۹: ۷) اس کے لئے عبرانی لفظ کو فرہے اوراس کے معنی ہیں ڈھانپنا۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ قربانی سے گناہ ڈھانپا جاتا ہے۔کفارہ مسیح کے اس مطلب کو ادا کرنے کےلئے کئی الفاظ انجیل مقدس میں استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً جب گناہ کوانسان اورخدا کی رفاقت کو توڑنے والا کہا گیا ہے توکفارہ مسیح کو ملاپ کرنے والا کہا گیا ہے(رومیوں ۵: ۱۱)جب انسان کوگناہ کی غلامی میں کہا گیا ہے تومسیح کی موت کو فدیہ یاقیمت کہا گیا ہے۔(۱کرنتھیوں ۶: ۲۰، اور۱تمطاؤس ۲: ۶)۔ جب گناہ ایک بوجھ سمجھا گیا ہے تومسیح کا کفارہ اُس بوجھ کو اٹھانے والا کہا گیا ہے۔(عبرانیوں ۹: ۲۸)۔ جب گناہ ایک پلیدگی یاناپاکی کہا گیا ہے تومسیح کا خون اُس ناپاکی سے پاک کرنے والا بیان کیا گیا ہے(یوحنا ۱: ۷)۔ غرضیکہ یہ سب باتیں مسیح کے کفارہ میں شامل ہیں۔ یہ کفارہ کی متفرق تاثیروں کوظاہر کرتی ہیں۔ اورمسیح کے کفارہ میں کفارہ کی اصل مطلب ڈھانپنے کا یعنی گناہوں کوڈھانپنے کا قائم رہتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ درمیانی کفارہ میں کیا دے؟ جواب یہ ہے کہ شریعت کے تقاضیٰ کے بموجب گناہ کی مزدوری موت ہے پس ضروری ہے کہ وہ درمیانی گناہ کی سزا یعنی موت بھگتے"بغیر لہو بہانے معافی نہیں ہوتی"(عبرانیوں ۹: ۲۲)" مگر ہونہیں سکتا کہ بیلوں اوربکروں کا لہو گناہوں کو مٹائے۔ اس لئے وہ دنیا میں آتے ہوئے کہتا ہے کہ ذبحیہ اورہدیہ تونے نہ چاہا پر میرے لئے ایک بدن تیارکیا۔ تب میں نے کہاکہ دیکھو میں آتا ہوں(میری بابت کتاب کے دفتر میں لکھا ہے) تاکہ اے خدا تیری مرضی بجالاؤں" (عبرانیوں ۱۰: ۵۔ ۷) اوربموجب اس کے ابن آدم آیاتاکہ" خدمت کرے اوراپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے"(متی ۲۰: ۲۸) اوروہ کارعظیم یوں وقوع میں آیاکہ:

" جب سیدنا مسیح نے جاناکہ میرا وقت آپہنچا ہے کہ اس جہان سے پروردگار کے پاس جاؤں" توصحابہ کرام کونصیحت کرکے اورتسلی دے کہ وہ گتسمنی نامی ایک مقام میں آیا تاکہ موت سے پہلے گویاخدا کی عدالت کے سامنے حاضر ہوئے۔ اس وقت اُس کی حالت غمگینی اورنہایت دلگیری کی حالت تھی۔ ہاں موت کی سی حالت تھی۔ اورایسی حالت اس سبب سے ہوگئی کہ ایک طرف توخدا کی عدالت اور غضب دیکھتا ہے اور دوسری طرف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مسیح کی خدمت کے شروع میں شیطان نے اُسے آزمایا تھا اورشکست کھائی تھی اب دوسری باراس کی خدمت کے آخر ہونے کے قریب پھر زورمار اکہ اس کوگرادے اورمسیح کی کفارہ دینے والی موت کی تکلیف کوایسے زورکے ساتھ پیش کیا ہوکہ وہ زچ ہوکر خدا کی مرضی بجالانے سے انکارکردے۔ اس نصیحت میں مسیح کا یہ فرمانا کہ " اس دنیا کا سردارآتا ہے اورمجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں" اسی موقعہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے یعنی شیطان آتا ہے مگر مجھ میں کوئی ایسی گناہ والی رغبت نہیں ہے کہ میں اس کی آزمائیشوں سے مغلوب ہوجاؤں، اس کی جان کنی کی حالت میں وہ گویاخدا باپ کی عدالت کے سامنے یہ سوال کرتا ہے کہ" اے میرے باپ اگرہوسکے تویہ پیالہ مجھ سے گذرجائے توبھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو"اگر میرے پینے کے بغیر یہ پیالہ مجھ سے نہیں گذرسکتا تو تیری مرضی ہو"(متی باب ٢٦) آخری بات اس لئے کہی کہ وہ خدا کی مرضی بجالانے کوآیا تھا۔ اورجب معلوم کیاکہ اورطرح نہیں ٹل سکتا تومنظورکیا اورکہاکہ تیری مرضی ہوئے، اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب لوگوں نے مسیح کو صلیب پر چڑھایا تھا۔

" تب چھٹے گھنٹے سے لیکے نویں گھنٹے تک ساری زمین پر اندھیرا چھاگیا۔نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑے شور سے چلا کر کہا کہ ایلی ایلی لما شبقتنی ، یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑدیا"۔پھر یسوع نے کہا (متی ٢٧باب ٤٦، اوریوحنا ١٩: ٣٠) کہ۔

پورا ہوا

"اورسرجھکا کر جان دی"!

واضح ہو کہ انسان کی نجات کےلئے خدا کی محبت کا یہ خاص ظہورتھا"۔خدا نے اپنی محبت ہم پریوں ظاہر کی کہ جب ہم گنہگار ٹھہرے تھے مسیح ہمارے واسطے موا(رومیوں ۵: ۸)اورسیدنا مسیح میں ایسی شان اورقدرت اسی لئے شامل کئے گئے کہ ایسے عظیم الشان کی موت بے حد گراں بہا ہوئے تاکہ گنہگاروں کی سزا یعنی ہمیشہ کے عذاب کودورکرنے کے لئے فدیہ ہوسکے۔ ورنہ یہ صورت ہوتی کہ کفارہ دینے والا ہمیشہ کے عذاب میں خود ہی گرفتار رہتا۔ اورکفارہ بھی نہ ہوتا۔مگرمسیح کی ایسی عظمت وقدرت کی وجہ سے حاجت نہ رہی کہ وہ ابدی عذاب سہتا رہتا" کیونکہ مسیح نے بھی ایک بار گناہوں کے واسطے دکھ اٹھایا۔ یعنی راستباز نے ناراستوں کے لئے تاکہ وہ ہم کوخدا کے پاس پہنچائے کہ وہ جسم کے حق میں تومارا گیا لیکن روح میں"۔

زندہ کیا گیا

۱پطرس ۳: ۸"کیونکہ ممکن نہ تھا کہ وہ اُس کے (موت کے) قبضہ میں رہے (اعمال ۲: ۲۴، لوقا ۲۴: ۴۶) اوراگرچہ خدا کا مجسم ہونا انسان کے لئے ایک اسرار ہے توبھی اُس سے ہم اتنا جان اورمان سکتے ہیں کہ اس صورت میں سیدنا مسیح کی موت گناہ کا کافی کفارہ ہے اورنجات کے لئے ایک شافی قدرت ہے۔

مسیح کے کفارہ کی بابت بعضوں کا یہ گمان ہے کہ وہ عدالت کے تقاضیٰ کوایک ایسے عام طورسے پورا کرنیکے لئے تھا کہ فضل کے لئے جگہ ہو اورسب نجا ت پائیں خواہ کتنے ہی گناہ کیا کریں، مگریہ درست نہیں ہے کیونکہ گنہگارپر اب بھی سزا ویسی ہی واجب ہے جیسی بغیرکفارہ کے ہوتی ۔یادرکھنا چاہیے کہ انتظام الہٰی اورکلام کا تقاضیٰ یہی ہے کہ شرع کی پیروی پوری درستی کے ساتھ کی جائے"یہی کروتوجیئگا سیدنا مسیح نے شریعت سکھلانے والے کو کہا تھا، یہی صورت ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کی ہے، اب چونکہ یہ پیروی پورے طورسے نہیں ہوئی بلکہ انتظام اخلاقیہ پربڑا فساد واقع

ہوا ہے اس لئے ہرایک عدول کرنے والے پر سزا کا حکم واجب ہے، اوریا اُن کے بدلے کفارہ دیا جائے تاکہ سزا سے بچ سکیں ۔کفارہ میں بے شک سلامتی ہے مگریہ سلامتی اُنہیں کے لئے ہوسکتی ہے جن کے لئے کفارہ دیا جائے اورجن کے لئے نہیں وہ اپنی سزا والی مردہ حالت میں رہتے ہیں۔اب انجیل سے ظاہر ہے کہ مسیح کاکفارہ صرف اُن کے لئے ہے جواُس پر ایمان لائیں۔ اوربے ایمان اُن میں سے ہیں جن کے لئے مسیح قربان نہیں ہوا۔وہ اپنے گناہوں میں مرینگے (یوحنا ۸: ۲۴) اوربھی دیکھو(یوحنا ۳: ۱۶، ۱۷ نامہ رومیوں ۳: ۲۳، ۲۶ کفارہ مسیح اپنے آپ میں بے حد بیش قیمت ہے ایسا کہ سب کی نجات کے لئے کافی ہے۔ مگریہ اُس کا منشا نہ تھا اورنہ وہ اس طورسے انجیل میں پیش کیا گیا ہے۔ مسیح اپنوں کے لئے کفارہ ہوا اورنہ کسی گنہگار کوہلاکت کافرزند یاغضب کے نیچے نہ کہا جاتا۔

فائدہ: کفارہ سے صرف یہی بات حاصل نہیں ہے کہ اُس کے ذریعہ سے راہ نجات کھل گئی بلکہ اُس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ وہ اخلاقی قدرت ہے یعنی اُس میں نیکی اورخوشی کی افزائیش کے لئے قوی ترغیب ہے اوروہ اس طرح سے کہ کفارہ مسیح راستی اورمحبت کا نمونہ ہے اورنمونہ میں بڑا زور ہوتا ہے اوریہ نمونہ خدا کی محبت وفضل کے ظہورکا نمونہ ہے۔خدا کے کلام اوراحکام اوردھمکیوں اوروعدوں میں زورتو ہے۔مگراُس کا نمونہ ان سے بڑھ کر زور رکھتا ہے اورخصوصاً کفارہ میں جونمونہ محبت کا دکھلایا ہے وہ نہ صرف خداکی سب سے بڑی محبت کا ظہور ہے بلکہ اوروں کے لئے باہمی محبت کے بارے میں قوی ترغیب ہے چنانچہ یہ نمونہ پیش بھی کیا گیا ہے" اے پیارو جبکہ خدا نے ہم سے ایسی محبت رکھی تولازم ہے کہ ہم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھیں"(یوحنا ۴: ۱۱) پس درحقیقت عالم میں سب سے قوی چیز جوانسان کونیکی کی طرف مائل کرسکتی ہے وہ کفارہ مسیح ہے۔ اوراس لئے مسیح انسان کے لئے شافی قدرت ہے کہ نہ صرف گناہ کی سزا سے بچاتا بلکہ گناہ سے پاک بھی کرتا ہے اے گنہگاروںاورکیا چاہیے۔

کفارہ نے اس بات کا بھی فیصلہ کردیا ہے کہ خدا کی اخلاقی حکومت میں صرف توبہ کی بناپر گناہوں کی معافی نہیں ہوسکتی۔

چوتھی فصل

ایمان اورتوبہ

گذشتہ فصلوں میں ہم نے نجات اورمنجی کا احوال معلوم کیا۔ اب معلوم کرنا چاہیے کہ یہ نجات ہمارے لئے کس طرح موثر ہوسکتی ہے۔ یعنی ہم کیا کریں کہ مسیح کے کفارہ کا فائدہ ہم کو پہنچے۔ مسئلہ نجات کی کیوں اورکس طرح کو صرف سمجھنا مفید نہیں جب تک کہ حقیقت میں ہمارے لئے تاثیر نہ ہوئے۔اوروہ چیز جومسیح کی نجات میں ہم کو شریک کرتی ہے ایمان ہے۔ یادرہے کہ ہرایک ایمان حیات رسان ایمان نہیں ہےکیونکہ حیات رساں ایمان وہی ہوسکتا ہے جوزندگی کے مالک پر ہو، نہ وہ جومردہ انسان یا اشیاء بیجان پر۔ ہم نے معلوم کیاکہ زندگی کا مالک سیدنا مسیح ہے" زندگی اس میں تھی" جس طرح باپ آپ میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اُس نے اپنے بیٹے کو بھی دیاہے کہ اپنے میں زندگی رکھے"(یوحنا ۱: ۴۔ ۵: ۲۶) جواُس پر ایمان لاتا ہے اُس کےلئے سزا کاحکم نہیں۔ لیکن جواُس پر ایمان نہیں لاتا اس کے واسطے سزا کا حکم ہوچکا"(۳: ۱۸) اس سے وہ سب ایمان جن میں دنیا پڑی تھی یاپڑی ہے ردی اوررائیگاں ٹھہرتے ہیں اورانجیل کی یہ مقدم تعلیم ہے کہ نجات خدا کے فضل سے ہے" تم فضل ہی بچ گئے(افسیوں ۲: ۵) اوریہ فضل کفارہ مسیح پر ایمان لانے سے انسان کے لئے تاثیرہوتا ہے[1]

---

[1] مسئلہ نجات قریباً سارا لکھا گیا تھاکہ ایک نئی کتاب (پرانے چتھڑے نئے پیوند) بنام وفصل الخطاب جس کے لکھنے والے مولوی حکیم نورالدین صاحب ہیں کسی دوست نے بندہ کو ہاتھ دی اور کہاکہ اس کا جواب لکھو، اس کوپڑھنے سے معلوم ہوا کہ اس کے پہلے حصہ کے ۳۵ صفحوں میں مولوی صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب کی طرح حضرت محمد کی غریبی اورجوانمردی وغیرہ کورسالت کی دلیل بتلایا ہے۔ایسی باتوں کی واجبی تردید ریویوبراہین احمدیہ میں کی گئی ہے مولوی صاحب کی کتاب کی ساری طرزایسی ہے کہ صرف مسجدوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کوسنانے کے لائق ہے جن کو تحقیق سے کچھ عرض نہ ہو۔عدم ضرورت قرآن کے مقابلہ میں ضرورت قرآن کے لئے بھی کچھ دلیلیں لکھ ڈالی ہیں جو جواب کے لائق نہیں ہیں۔نجات اورکفارہ کی بابت بھی مولوی صاحب نے بحث کی ہے جس کا حسن وقبح ناظرین کو انجیل اورقرآن سے حوالے دے کراس بات کوظاہر کرتے ہیں کہ نجات صرف خدا کے فضل سے ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں" اگراعمال وغیرہ سے نجات ہے تو فضل کچھ بھی نہیں"صفحہ ۱۵۴ اوراس مطلب کے لئے پولوس رسول کے اُس قول کا حوالہ دیتے ہیں کہ اگر فضل سے ہے تواعمال سے نہیں ، نہیں تو فضل فضل نہ رہیگا۔صفحہ ۱۵۸ اسی مطلب کی کئی ایک اورآیتوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔اسی مطلب کی کئی ایک اورآیتوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ مولوی صاحب اگریہ سچ ہے توآپ نے پہلے حصہ کے صفحہ ۳۷ میں اسلامی کفاروں کی تعریف کرتے ہوئے یہ کیا لکھا ہے اورقرآن کا حوالہ دیا ہے" نیکیاں دورکرتی ہیں برائیوں کو" یہاں فضل کا کیا دخل ہے اورہرمزہب مذہب ٹھہرا۔ سوذرا سمجھ کے لکھنا چاہیے۔ اوریہ ظاہر ہے کہ عیسائی شروع سے اس بات کومانتے ہیں کہ نجات خدا کے

فضل سے ہے۔اورانجیل مقدس کی اس تعلیم سے وہ تمام رسمیات اورقیودجوتوریت میں مامور ہوئی تھیں بند ہوئیں جن میں سے کئی ایک حضرت محمد نے یہودیوں کی تقلید پر قرآن میں بھی داخل کرلی ہیں۔

پھر اس فضل الہٰی کوایک چیز جذب کرنے والی بتلاتے ہیں اوروہ ایمان ہیں یہ بھی انجیل کے موافق ہے اورانجیل کی خالص تعلیم ہے مگرمولوی صاحب نے یہ بیان نہیں کیا کہ کس چیزیا چیزوں پر ایمان لانے سے وہ فضل انسان کیلئے موثر ہوسکتا ہے۔ اس امر میں گول مول بات رکھنے سے لوگ دھوکاکھاسکتے ہیں مگر آپ کی عرض بھی توسچائی کوظاہر کرنے کی نہیں ہے۔ہندولوگ مانتے ہیں کہ بسواس سے نجات ہے اوروہ بھی جس چیز پرچاہیں کرلیں میں آپ کواوراوروں کوبھی بتلاتاہوں کہ ازروئے قرآن کن چیزوں پر ایمان لانے سے فضل الہٰی جذب ہوتا ہے۔سورہ تغاین آیت ۱۲۔ ایمان لاؤ اللہ پراوراس کے رسول پر اوراُس نورپرجوہم نے اُتارا، سورہ بقرہ آیت ۳، ۵ جویقین کرتے ہیں بن دیکھا۔اورجویقین کرتے ہیں جوکچھ اُترا تجھ پر اورجوکچھ اترا تجھ سے پہلے اورآخرت کے وہ یقین جانتے ہیں۔۔۔۔وہی مراد کوپہنچے پھر آیت ۷۷، رکوع ۲۲ نیکی وہ ہے جوکوئی ایمان لائے اللہ پراورپچھلے دن پراورفرشتوں پراورکتاب پراورنبیوں پر۔۔۔۔ وہی لوگ بچاؤ میں آئے۔ اب مولوی صاحب اورقرآن کے بیان میں بڑا فرق ہے اوراول یہ کہ ایمان نرے فضل خارجی پر نہیں ہے بلکہ اللہ اورمحمد قیامت اورفرشتوں اورنبیوں اورکتابوں پر ایمان ہوتو یہ ایمان فضل کوجذب کرسکتا ہے بغیر اس ایمان کے فضل کارآمد نہیں ہے۔ اورپھر یہ سوچئے کہ ان چیزوں پر ایمان کیسا ایمان ہے۔نبیوں اورفرشتوں اورقیامت پرایمان لانا نجات کی وجہ یاموجب نہیں ہوسکتا کیونکہ نبیوں اورفرشتوں کے پیغاموں اورہدایتوں سے توہم گنہگارثابت ہوتے ہیں اوربالکل بے عذرٹھہرتے ہیں۔ اورقیامت توایک موقع جزااورسزا کا ہوگا، یہ سب ہمارے مدعی ہیں نہ کہ وکیل۔ سواصل مرکزبحث کا یہ ہے کہ ان میں اورسیدنا مسیح میں سے کس پر ایمان لایا جائے تاکہ خدا کے فضل کوہم اپنے حق میں موثر کریں۔ایسا کہ نجات پائیں اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فضل اورسچائی سیدنا مسیح کے وسیلے سے آئی اوروہی اُس فضل کو ہمارے لئے کمانے کوآیا تھا۔ اوروہی اس قابل تھا سویونہی فضل فضل کہنے سے کچھ فائدہ نہیں خدا کی اخلاقی حکومت اورشرع کا خوب خیال رکھنا چاہیے۔ ورنہ کچھ ضرور نہیں کہ نجات کے لئے ایک انسانی تجویز چھوڑکردوسری اختیار کی جائے۔ دوم۔ یہ کہ مولوی صاحب تو کہتے ہیں کہ نجات فضل سے ہے اعمال سے نہیں۔مگرقرآن نے فضل اوراعمال کوگھسڑ پسڑ کردیا ہے۔ جوآیات سورہ بقرہ سے منقول ہوئی ہیں اُن میں اعمال بھی بیان ہوئے۔یعنی نماز ،زکوات ، لڑائی اورخیرات۔ اورحج کا بھی ذکر اورجگہوں میں آیا ہے۔ ان میں سے سوائے خیرات اورنماز کے اورتواعمال حسنہ میں داخل ہی نہیں ہوسکتے۔ مگرقرآن کے رو سے ظاہر ہے کہ یہ سب ہوں توخدا کے فضل کی امید ہوسکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ کیوں مولوی صاحب آپ توفضل کو کہیں ہوا میں بتلارہے تھے اورقرآن تواُسے انواع ایمان اوراعمال کی دلدل میں دھنسا ہوا بتلاتا ہے۔ انجیل میں فضل کا عام اورصحیح پرچار دیکھ کر جھوٹوں نہیں کہہ دینا چاہیے کہ قرآن میں بھی نجات فضل سے ہے اعمال سے نہیں ۔حقیقت میں قرآن والا فضل کچھ چیز نہیں ہے۔ اسکا وجود اورعدم وجود برابر ہیں آپ اس بات کوپھر ذرا غور سے سوچئے۔اندھی طرفداری سے فائدہ نہیں ہے۔

رحم اورعدل کی بابت بھی ایک سوال وجواب تحریر کیا ہے اوریہ وہ ہیں۔ سوال ،لفظی معانی قرآن سے ثابت کرو۔ خدا کے عدل ورحم میں بھی فرق نہ آئے اورگنہگار بے سزا پائے بہشت کا جاودانی آرام پائے الزامی جواب متی ۲۱باب ،۲۳، ۲۴ مسیح سے کاہنوں اوربزرگوں نے پوچھا توکس اختیار سے یہ کہ کرتا ہے اورکس نے تجھے یہ اختیاردیا ۔ مسیح نے کہا میں بھی تم سے ایک بات پوچھتاہوں اگروہ مجھ سے کہو تو میں بھی تم سے کہونگا" سومیں بھی تمہیں بطور مسیح پوچھتاہوں۔ بتاؤ ، شیطان بھی گنہگار ہے۔ یہوداہ اسکریوتی بھی جس نے مسیح کو پکڑوایا گنہگار ہے۔ اورکافا جس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ دیا گنہگار ہے۔ اب بتائیے بے سزا پائے بہشت میں کیونکر داخل ہونگے" تمام بت پرست قومیں اورتمام منکرین مسیح کیا بے سزا جہنمی ہیں۔ اب آپ ان تمام مثالوں میں رحم اورعدل کو جمع کردیں۔ شیطان کی نجات کا ذریعہ انجیل سے نکال

دیں۔اگر صرف رحم اس طرح باعث نجات ہے کہ اعمال یا ایمان نہ ہو۔ اوربدکارنجات پائے توچھٹی ہوئی۔

ردجواب۔ مولوی صاحب آپ نے یہ ایک بڑی نازیبا طرزاختیارکی ہے۔ آپ کوایسے سوال اورکوئی سوال بطورمسیح کے نہیں پوچھنے چاہیے۔ بلکہ جس طرح گمراہی یاشک کی حالت میں حضرت محمد کوحکم ہوتا تھا کہ اہل کتاب سے پوچھیں دیکھو سورہ یونس ع ۱۰، آیت ۹۴۔ سواگر توہے بیشک میں اس چیز سے جواُتاری ہے ہم نے تیری طرف توپوچھ اُن سے جوپڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ سواسی طرح چاہیے کہ آپ بطورمحمد کے اہل کتاب سے اپنے شک دفعہ کرنے کے لئے پوچھیں۔ اوراب اپنے سوال کاجواب سمجھئے۔ اس رسالہ میں انجیل سے اورخدا کی اخلاقی حکومت سے صاف واضح کیاہے کہ کفارہ مسیح سے خداکا عدل پورا ہوگیا ہے۔ اس لئے سزا بچنے کے لئےوہ کفارہ ہی ذریعہ ہے۔ لیکن بغیر ایمان کے وہ کسی کے واسطے مفید نہیں ہے۔ پر جیسا متن میں بیان کیاگیا ہے ایمان کے ذریعہ سے ایماندارخداکا لے پالک فرزند ہوجاتا ہے (یوحنا ۱: ۱۲) اورپابند ہوتاہے کہ اپنی پہلی باتوں کوچھوڑے یعنی توبہ کرے اورخدا کے موافق پاک بنے۔ مگرمعلوم ہوتاہے کہ اپنی پہلی باتوں کی چھوڑے یعنی توبہ کرے اورخدا کے موافق پاک بنے ۔مگرمعلوم ہوکہ شیطان اوریہوداہ اسکریوتی اورکیافا اورسب محمدی یابت پرست لوگ جوگنہگارتھے یا ہیں بے سزا نہ چھوٹینگے اگرپہ سب مسیح سے بے ایمان رہے یا رہتے ہیں توکفارہ اُن کے حق میں مفید نہیں ہوسکتا۔ اُن کا جہنم میں جانا لازمی ہے مسیح اپنی بھیڑوں کے واسطے قربان ہوا نہ کہ شیطان اوربے ایمانوں کے لئے یوحنا ۱۰: ۱۵ اوروہ جو ایمان نہیں لائےاورخدا کے لےپالک فرزند نہیں بنے۔ وہ مجبورنہیں کہ خدا کے موافق پاک بنیں۔ اُنہیں چھٹی ہے کہ جس طرح چاہیں گناہ کریں۔ مگریادرکھیں کہ ایک دن سیدنا مسیح کی مسندعدالت کےآگے حاضرہونا ہے۔ اور"اگراتنی بڑی نجات سے غافل رہیں توکیونکر بچینگے"۔

یہ ایمان انسان کو خدا کے فرزند بناتاہے جوکہ اپنے گناہوں کے سبب خدا کے دشمن تھے۔(یوحنا ۱: ۱۲)۔ اورجب فرزند ہوئے تووارث بھی یعنی خدا کے وارث اورمیراث میں مسیح کے شریک۔بشرطیکہ ہم اُس کے ساتھ دکھ اٹھائیں تاکہ اُس کے ساتھ جلال بھی پائیں (رومیوں ۸: ۱۷)۔ اس نئے رشتہ میں داخل ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اپنے تعلقات کوچھوڑے یعنی پُرانی انسانیت کی باتوں کو ترک کرے۔ اوراس کا نام توبہ ہے۔"دیکھو جوکوئی گناہ کرتاہے سوشیطان کا ہے کہ شیطان شروع سے گناہ کرتاہے"۔اسی سے خدا کے فرزند اورشیطان کے فرزند ظاہر ہیں"(۱یوحنا ۳: ۹، ۱۰) اس لئے جب وقت پورا ہوا تب خدا نے اپنے بیٹے کوبھیجا تاکہ وہ اُن کو جوشریعت کے تابع ہیں مول لے اورہم لے پالک ہونے کا درجہ پائیں(گلتیوں۴: ۵) لے پالک ہونے سے ایماندار آسمانی اورروحانی چیزوں کے مستحق ہوجاتے ہیں۔(۱) اُنکا ایک نئے خاندان سے رشتہ ہوجاتاہے۔(۲) آسمانی میراث میں مسیح کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔(۲) فرشتوں اورمقدسوں کے ساتھ شراکت حاصل ہوتی ہے"اب سیدنا مسیح ہوکے تم آگے دورتھے مسیح کے لہو کے سبب

سے نزدیک ہوگئے۔ سواب تم بیگانہ اورمسافر بلکہ مقدسوں کے ہم شہری اورخدا کے گھرانے کے ہو"(افسیوں ۲: ۱۳، ۱۹)
پس مسیح پر ایمان لانے سے یہ فضیلت ملتی ہے۔ اوریہ نیارشتہ اس بات کا متقاضہ ہے کہ ہم اپنے پُرانے رشتے کا بُرے کام ۔شیطان کے فرزندوں والی عادتیں ترک کریں اوراس نئے رشتے کے مناسب چل اختیارکریں ۔ یعنی جیسا خداوند نے فرمایا تھاکہ کریں"تم کامل ہوجیسا تمہارا باپ جوآسمان پر ہے کامل ہے" مسیحی لوگوں کا گناہ کے ساتھ اب کچھ سروکار نہ ہوناچاہیے ۔ گناہ کرنا اُن کا کام ہے جومسیح پر ایمان نہیں لائے اورخدا کے فرزندوں کے شمارمیں نہیں آئے۔ وہ پابند نہیں ہیں کہ اپنے پرانے چلن کو چھوڑیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ہماری پُرانی انسانیت اس کے ساتھ صلیب پر کھینچی گئی تاکہ گناہ کا بدن نیست ہوجائے۔ کہ ہم آگے کوگناہ کے غلام نہ رہیں(رومیوں۶: ۶) اس سے ظاہر ہے کہ واجبی اورمقبول توبہ صرف مسیحی ایماندارکرسکتا ہے۔

ایمان کے بارے میں بھی فلاسفی اورمذہب کا اتفاق ہے عقل کی معلومات کو مان لینا روح کا ایمان ہے۔ دین کی رو سے بھی ایمان کا مطلب مان لینا ہے۔ لیکن جیسے عقل کی معلومات محدود ہیں ویسے ہی اسکا ذاتی ایمان بھی قدرت سے باہر وسعت نہیں رکھتا۔ یایوں کہیں کہ بعد مرگ اس کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ کیا ہے۔ اب مذہب کا یہ فائدہ ہے کہ وہ عقل کی معلومات کے خزانہ کوبڑھاتا ہے۔ اوراُس کے ایمان اور معلومات شامل ہوجاتی ہیں۔ یعنی ایمان امید کی ہوئی چیزوں کی ماہیت اوراندیکھی چیزوں کا ثبوت ہے۔مذہب کے ذریعہ سے ایمان کو یہ ترقی ہوتی ہے کہ انسان آسمانی اوراندیکھی چیزوں کا گویا قابض ہوجاتا ہے۔ مگرپیشتراس سے کہ ہم ان چیزوں کو اپنے لئے ثابت کریں اوراُنکی اُمید رکھیں ضرور ہے کہ ہمارا اس کے ساتھ میل ہوئے جس کے اختیار میں وہ سب چیزیں ہیں۔ اب وہ " زندگی کا مالک" اور"ابدیت کا باپ " ہمارا سیدنا مسیح ہے۔ اُس نے اپنے کفارہ سے خدا اورانسان میں میل کروایا اوراُس پر ایمان لانا آسمانی خوشی کی امید اورتحصیل کی دلیل ہوسکتا ہے۔ یہ خوبی ترقی ایمان کی ہے جوانسان کومحدود عقل سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

پھر عقل کے مقابلہ میں ایمان میں یہ خوبی بھی ہے کہ جب عقل ہماری ہلاکت کا باعث ہو تواُس حالت میں ایمان ہماری زندگی کا باعث ہے۔چنانچہ مسئلہ کفارہ میں ہرایک

بات انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتی ۔ اورخصوصاً طریق دخل الہٰی مگریادرہے کہ ذات الہٰی کے متعلق ایک بات بھی عقل نہیں سمجھ سکتی۔ گونبیوں اوررسولوں نے خدا کی بابت اس قدربیان کیا ہے پھربھی ذات الہٰی انسان کے لئے ایک بھید ہے ۔ اس حال میں اگرعقل الہٰی بھیدوں کوبلاسمجھنے کے نہ مانے اوربموجب اُس کے روش نہ رکھے توہلاکت اُس بے ایمان کا صریح نتیجہ ہے۔ عقل کی اس خطرناک ضد میں ایمان ہی کے ذریعہ سے خیر ہے۔ بے شک یہ نامناسب ہے کہ ہم اُن باتوں کو مان لیں جوعقل کے برخلاف ہوں۔ مگراس وقت کیا کریں جب عقل خود صداقتوں اورحقیقتوں کے برخلاف ہو اور وہم یاتعصب کے بس میں ہو۔ کسی چیز کوعقل کے برخلاف کہنے میں تامل چاہیے۔ کیونکہ اثر نہ سمجھ آنے کی بنا پر بعض باتوں کو خلاف عقل کہہ دیا جاتاہے۔ وہ باتیں جوفوق العقل ہیں وہ کیونکر خلاف عقل ہوسکتی ہیں؟ چنانچہ مسیح کے کفارہ میں دخل الہٰی ایک اسرارفوق العقل ہے" اوربلااتفاق دینداری کا بھید بڑا ہے یعنی خدا جسم میں ظاہر ہوا"(۱تمطاؤس ۳: ۱۶)۔ نیستی یا عدم وجود کا نام اسرارنہیں ہے۔ وہ جس کو اسرار کہا جاتا ہے اس کی ہستی ثابت ہے یا قابل ثبوت ہے مگراُس کی ذاتی کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی اس لئے وہ عقل کے لئے ایک بھید کہا جاتاہے۔ ایسے امورمیں عقل عاجز ہے اورایمان کے زور سے کام چلتا ہے۔اسی لئے ہم نے کہاکہ جب عقل ہماری ہلاکت کا باعث ہوتو اس وقت ایمان ہماری سلامتی اور زندگی کا باعث ہے۔ عقل ہمیں نیچر سے ملاتی لیکن ایمان نیچر کے خدا سے ملاتا ہے۔

اب اے بنی آدم سنو! وہ راست اوررحیم خدا اپنے کلام میں یوں فرماتا ہے کہ سوائے مسیح کے "کسی دوسرے سے نجات نہیں ۔ کیونکہ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پاسکیں"(اعمال ۴: ۱۲) اورسیدنا مسیح نے خودبھی تاکید سے فرمایاکہ میں تم سے سچ کہتاہوں کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُسی کی ہے(یوحنا ۶: ۴۷)۔

خبردار! بچو! دیکھو ایک تو لوگ طبیعت سے غضب کے فرزند ہیں(افسیوں ۲: ۳)۔اوردوسرے اگرایسی بڑی نجات سے غافل رہیں توپھر کیونکر بچینگے؟(عبرانیوں ۲: ۳) کیونکہ " سیدنا مسیح آسمان سے اپنے زبردست فرشتوں کے

ساتھ بھڑکتی آگ میں ظاہر ہوگا اور اُن سے جوخدا کونہیں پہچانتے اورہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح کی انجیل کو نہیں مانتے بدلا لیگا۔وہ خداوند کے چہرے سے اوراسکی قدرت کے جلال سے ابدی ہلاکت کی سزا پائینگے (۲تھسلنیکیوں ۱: ۷تا ۹)۔

"اب سیدنا مسیح کا فضل اورخداکی محبت اور روح القدس کی محبت تم سبھوں کے ساتھ ہوئے آمین۔

راقم جی ۔ ایل ۔ ٹھاکر داس۔ گجرانوالہ

خداکی محبت کے لئے حمد کا گیت

خدا نے ایسی شدت سے   جہان کو پیارکیا

کہ بخشا اپنے بیٹے کو   تاہوئے فداکار

جے جے جے مسیح کی جے   مصلوب جوہوا ہے

بے حد ہے اس کا پیارا عجیب   جے جے مسیح کی جے

خدا کا دیکھو پیارا عجیب   کہ یسوع آیا ہے

صلیب پر دیکے اپنے جان   مجھے بچایا ہے

ایمان سے یسوع میرا ہے   جوہوا ہے مصلوب

اُسی کے خون سے ہے نجات   اوراُس سے موت مغلوب

اے ایماندارو خوش رہو   وہ کرتا ہے خلاص

گناہ کی سب بیماری سے   اوربخشتا پاك میراث

پس خون خریدے گا وہ سب   مسیح کی ہوئے جے

ہاں موت جب آئے کہونگا   مسیح کی ہوئے جے

ضمیمہ مقصد سوم

ہندوؤں کا مکتی مرگ

ہندو مذہب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں کے وقت سے لیکے اس زمانہ تک اُس نے کئی ایک صورتیں بدلیں ہیں۔کئی ایک فرقے اٹھے جنہوں نے ویدوں کی قربانیوں والا مذہب بند کردیا اورخوب خیالی سوچیں سوچیں اورسا نکھیا اوریوگ اورویدانت اوربُدھ مت جاری ہوگئے۔ بعد ہ ان پر شاستروں اورپُرانوں والی بُت پرستی زیاد کی گئی جواب رائج ہے۔ اصل میں یہ سب طریقے ہندومذہب کی خیالی لہریں ہیں۔ اوربلاسخت کش مکش کے ہمعصر رہی ہیں۔ ان تبدیلیوں سے ہندولوگ چنداں حیران نہیں ہوئے۔ البتہ یہ ضرورہوا کہ بدھ مذہب ہندوستان سے خارج کیا گیا مگرپھر بھی اس کی کئی ایک باتیں ہندومذہب میں شامل کی گئیں اور بعض حالتوں میں ویسی ہی تجویز کی گئیں تھیں۔ پیچھے جوگذری سوگذری مگراس زمانہ میں ہندوؤں میں بڑی ہلجلی پڑگئی ہے۔ اسلام نے اصل میں ہندومذہب کا کچھ نہیں بگاڑا تھا صرف اس کے آدمی مارے تھے۔ مگراس زمانہ میں ہندومذہب پر ایک بھاری بنی ہے اوروہ دین عیسوی ہے جواس حیرانگی کا موجب ہے۔ ہندوستان کے مذہب پر ایک زلزلہ آگیا ہے جس کے صدموں سے بچنے کیلئے کہیں برہم سماج، کہیں آریا سماج، کہیں سنگ سبھا ،اِدھر نیچری اورادھر انجمن اسلامیہ قائم ہورہی ہے کوئی قرآن کی تعلیم میں اصلاح کررہا ہے۔ سوامی دیا نند جی ویدوں والی عبادت اورراہ نجات پکارتے گئے۔الکاٹ اورآرنلڈ صاحب بدھ مذہب کو دین عیسوی پر ترجیح دے رہے ہیں۔چونکہ میں نے اس رسالہ حکم الا لہام کے مقصد تیسرے میں اس بڑی نجات کا بیان ہے جو خدا نے انجیل مقدس میں ظاہر کی ہے مگر اپنے ملک کے طریقوں کا کچھ حال بیان نہ کیا تھا اس لئے اس ضمیمہ میں صرف ہندو اوربُدھ مذہب والی مُکتی کا بیان کرتاہوں تاکہ لوگ ان مذاہب کے پیروؤں کے خالی شور سے غلطی میں نہ پڑجائیں بلکہ اپنے اپنے لئے جانچیں کہ حق کس جانب ہے۔ اوریہ معلوم کریں کہ مذہب کی صحیح غرض کیا ہے کھانے پینے اور رہنے کا ڈھنگ توبے عقل جانوربھی جانتے ہیں مگر مذہب کی غرض یہ ہے کہ ہم کو خدا کی پہچان اورگناہ کی معافی اورپاکیزگی کی راہ بتلائے۔

ہندو مذہب میں مُکتی (نجات) کیا ہے؟

جاننا چاہیے کہ ویدوں والا زمانہ وہ زمانہ تھا جب آریہ لوگ اس دنیاوی زندگی سے خوش تھے۔ وہ گھوڑے ،گائے ،بیل ،بکری اوربھینس وغیرہ رکھتے تھے ۔ اُن کا دودھ پیتے اورگوشت کھاتے تھے۔ اورکھیتی کرتے تھے یہ زندگی اُن کو ایک مصیبت کا بوجھ نہ معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اُس کی خوشیوں کے لئے وہ محنت کرتے تھے۔ اوراپنے فلکی اورزمینی دیوتوں یعنی سورج چاند ،اندر، وایو سے اوراگنی اورسوما سے اُن کیلئے دعائیں مانگتے تھے ۔ جانوروں کی قربانیاں دیتے اورسومابوٹی کا شراب چڑھاتے تھے۔اوراس کُل عبادت کے عوض میں دیوتوں سے چوپائے اوردولت اوربیٹے اوردشمنوں کی ہلاکت مانگتے تھے۔ ویدوں کی دعاؤں کی یہ عام عرض ہے۔ مثلاً رگ وید میں یوں آیا ہے۔

"اے اگنی اورسوما اُس کو بڑا اجردو جوتم دونوں کو گھی نذرچڑھاتا ہے"(منڈلہ ،۱، منتر۹۳۔

" اے اگنی تودولت کی خاطر ہم لوگوں سے سراہی جاتی ہے"(منڈلہ ،۱، منتر،۳۱)۔

" اے اندر، ان نذروں اور قربانیوں سے راضی ہوکر چوپائیوں اورگھوڑوں کے ذریعے سے غریبی دُورکر" (منڈلہ ، ۱، ۵۳ منتر) " وہ جواُسے نذرچڑہاتا ہے سوما اُسے دودھیل گائے تیزگھوڑا اورلائق بیٹا دیتا ہے(وغیرہ۱، ۲،۷) علاوہ اس کے اس زندگی کے بعد راراجا یم کی بادشاہت میں خوشیوں کی امید رکھتے تھے ۔ جیساکہ ذیل کے منتر سے ظاہری ہے جو یم یعنی گذری ہوئی روحوں کے بادشاہ کی تعریف میں ہے۔

"زبردست راجا یم کونذریں اور تعظیم دی جائیں۔وہ آدمیوں سے پہلا تھا جوموا، وہی پہلا تھا جومت کی تیز اور زبردست دہارا کے سامنے ہوا۔وہی پہلا تھا جو آسمان کی راہ بتلانے والا اوراوروں کوبھی اُس جلیل مکان میں خوشی سے قبول کرنے والا تھا۔ کوئی طاقت ہم کو اس گھوڑے سے جوتونے جیتا ہے محروم نہیں کرسکتی۔

اے راجا ہم آتے ہیں۔ جوپیدا ہوا ہے ضرورمریگا اس راہ پر جس پرتوگیا ہے ضرورجائیگا ۔ وہ راہ جس پر سے ہرایک گروہ انسانی متواتراورہمارے باپ دادے بھی گذرے ہیں۔[1]

---

[1] دیکھو رسالہ وید مذہب پہلا حصہ۔ صفحہ ۱۹ جہاں بیان ہوا ہے کہ یہ یم راجا کون تھا،

اے مرُدے کی روح روانہ ہو۔ اُس سڑک پر جانے سے مت ڈروہ قدیمی سڑک جس سے تیرے باپ دادے گئے ہیں۔ دیوتا کوملنے کے لئے چڑھ جا۔ اوراپنے خوشحال باپدادوں کو ملنے کے لئے جوخوشی میں اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ پہرے والوں کے پاس سے گذرنے کومت ڈر،چارآنکھ والے چتکبر کتوں کے پاس جو وہاں جانے والوں کی راہ دیکھتے ہیں۔ اے روح اپنے گھر لوٹ جا۔اپنے گناہ اورشرمندگی کو زمین پر چھوڑجا۔روشن صورت اختیارکر، اپنی قدیمی صورت صاف کی ہوئی اورسب داغوں سے بری[1]۔

لیکن پھر وہ زمانہ آیاکہ یہ زندگی ایک بوجھ معلوم ہونے لگی۔ اوررنج آلودہ قرار دی گئی ۔ یہ زمانہ برہمنہ اورخاص کر اپنی شدت کے وقت سے شروع ہوا۔ بعض برہمنوں نے اپنے خیالوں سے لوگوں کو زندگی سے بیزارکردیا یعنی جون بھوگنے (تناسخ) کا ذکرسنایا اورویدوں والی زندگی کی ساری خوشی رنج سے بدل گئی ۔تب سے آج کے دن تک تناسخ ہندوؤں کے لئے ایک ڈرونا ہے۔ جُون سے بچنا مکتی ہے چنانچہ ست پتھ برہمنا میں اس کا یوں اشارہ ہوا ہے۔

" دیوتوں کو ہمیشہ موت کا خوف رہتا تھا، سو اُنہوں نے مشقت والی رسموں کے ساتھ عبادت کی اوربار بار قربانیاں کیں تاوقتیکہ وہ غیر فانی ہوگئے۔ تب موت نے دیوتوں سے کہا کہ جس طرح تم نے اپنے تئیں غیر فانی کرلیا۔ اسی طرح انسان بھی کوشش کرینگے کہ اپنے تئیں مجھ سے آزاد کرلیں۔پس انسانوں میں میرا کونسا حصہ ہوگا؟ دیوتوں نے جواب دیاکہ اب سے آئندہ کوئی وجود اپنے جسم میں غیر فانی نہ ہوگا۔ اس کے فانی وجود پر تیرا قبضہ رہیگا۔ یہ تیرا اپنا ہوگا یہ ہمیشہ تیری خوراک ہوگا اورنیز وہ بھی جوآئندہ دینی کاموں کے ذریعہ سے بقا کو حاصل کریگا اے موت وہ پہلے موجودہ جسم کوتیری نذرکریگا۔

اس پر سر ما نیرولیمس صاحب لکھتے ہیں کہ وہ جو قربانی کیا کرینگے وہ پہلے اپنے جسموں کوقربانی کئے بغیر غیرفانی نہ ہونگے۔اورکہ سب جوقربانی نہ کرینگے وہ پھر پیدا ہونگے اوراپنے بدنوں کو بیشمار متواتر جنموں میں موت کو ہدیہ دیا کرینگے۔ یہ تعلیم تناسخ کا شروع تھا۔

اس میں انسان کا کچھ قصور نہیں۔ اُن کے گناہ کے سبب یہ سزاوارد نہ ہوئی بلکہ دیوتوں نے موت کوخوش رکھنے

---

[1] Religious Thoughts & Life in India ch.1

کے لئے انسان کو قابو کروایا اورآپ نکل گئے۔ یہ خوب ہوا!!! کہ ایک طرف تودیوتا لوگ انسانوں کے لئے جُون کا فتویٰ نکال گئے اوردوسری طرف وہ زمانہ بھی آگیا کہ اُپنی شد کے بانیوں نے یہ سوچ سوچی کہ ویدوں والی قربانیوں سے مُکتی نہیں ہوسکتی۔ ویدوں والی قربانیاں اورشراب خوری (سوماکارس) منسوخ ہوگئے[1]۔ اورمکتی اس بات میں بیان کی

[1] W.W. William's Indian Wisdom pg.34

اصل میں تعلیم تناسخ نے ویدوں والی جیوہتیابند کروائی ۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگرکوئی ایک بھیڑ کوکھانے کے لئے مارے اوراُس کی نانی اُس جُون میں آئی ہو تو وہ شخص اپنی نانی کوکھائیگا۔ ویدوں والی قربانیاں بند کرنے والا نامورگوتم تھا جس کی تعلیم کی کئی ایک باتیں ہندو فلاسفی میں شامل کرلی گئی تھیں۔ سرمانیرولیمس صاحب لکھتے ہیں کہ بری ہدآرنیا کہ اُپنی شد میں کہا گیا ہے کہ جب آدمی گیان کی حالت میں ہے تو دیوتے اس کے لئے دیوتے نہیں اورویدوید نہیں ہیں۔ پھر منڈکہ بیان کرتاہے کہ قربانیوں والا وید برہم ودیا سے ادنیٰ (صفحہ ۹۵۔ لکچر ۵۔ بدھ ازم منوسمرتی کے دنوں میں دینی خیالات تبدیل ہورہے تھے۔ چنانچہ اُس میں یہ بیان پایا جاتاہے کہ قربانیاں پہلے ہوتی تھیں لیکن اب گذرگئی ہیں۔ کبھی کچھ کہنا ہے اورکبھی کچھ چنانچہ پانچویں درس میں یہ بیان ہے۔ ۲۲۔ ماموشد جانوروں اورپرندوں کو برہمن قربانی کے لئے قتل کریں۔ اورنیزآگیا کاریوں کی پرورش کے لئے کیونکہ آگستیا نے آگے اسی طرح کیا تھا (۲۳) برہمنوں اورچھتریوں کی قدیم قربانیوں اورنذروں میں درحقیقت کھانے کے لائق جانوروں اورپرندوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ (۴۴) جاننا چاہیے کہ ہتیا (یا نقصان جس کا وید میں حکم ہواہے۔۔۔ وہ ہتیا نہیں ہے)۔

گئی کہ تسلسل جُون سے بچنا اورپرماتما میں پھر مل جانا جس طرح دریا سمندر میں پھر مل جاتا ہے اورآج تک ہندوؤں کا یہی یقین ہے۔ اوریہ مکتی حاصل کرنے کے لئے دھیان اورتپ وسیلے قرار دیئے گئے ، دھیان یہ ہے کہ اپنے میں دھیان کرے سوچے کہ میں پرمیشر ہوں۔ یہ سچا گیان ہے کھنڈوگیہ اپنی شد میں بیان کیا گیا ہے کہ کن کن چیزوں پر دھیان کرے چنانچہ اس کی پہلی آیت میں ہے کہ" آدمی لفظ اوم پر دھیان لگائے" پھر اُسی اپنی شد کے ۳ پرپاتھکہ ۱۲کھانڈ میں آیا ہے کہ " گائیتری سب کچھ ہے۔ گائیتری برہمن ہے۔ براہمن وہی ہوا ہے جوہمارے چوگرد ہے۔ ہوا جوہمارے چوگرد ہے وہی ہوا ہے جوہمارے اندر ہے۔ اورہوا جوہمارے اندر ہے وہ

پھر آیت ۵۶ میں یہ لکھا ہے کہ گوشت کھانے سے منشی شراب پینے میں ہم بستری میں کچھ عجیب نہیں ہے کیونکہ یہ جاندروں کا کاروبار ہے۔لیکن اُن سے باز رہنا بڑا پھل دیتا ہے۔ پھر دوسرے درس کی آیت ۸۳، ۸۴ میں یہ لکھا ہے " حجا الوم اعلیٰ براہمہ دم روکنا سب سے بڑی نفش کشی ہے۔ لیکن سوتری سے کوئی چیز بڑی نہیں ہے۔ سچائی خاموشی سے بہتر ہے۔ تمام ویدک رسمیں نذرانوں اورقربانیوں کی گذرجاتی ہیں۔ لیکن اس لازوال حجا اوم کوبراہمہ اورپرجاپتی کرکے جاننا چاہیے۔ (۸۵) کہا گیا ہے کہ اس لفظ کو گھن گنانا (جپنا) معمولی قربانی سے دس گنا بہتر ہے۔ اگرنامسموع طورسے تو سوگنا بہتر ہے۔ اگردل میں ہو تو ہزارگنہ" دیکھو دھرم شاسترمنو ڈاکٹر برنل صاحب کا انگریزی کا ترجمہ۔

وہی ہوا ہے جو دل کے اندر ہے۔ دل کے اندر والی ہوا(برہمن) حاضر ناظر اوربے تبدیل ہے۔ وہ جو یہ جانتا ہے کہ حاضر ناظر اوربے تبدیل خوشی حاصل کرتا ہے۔ پھر پرپاتھک ۸ کھاند ۲ میں لکھا ہے کہ" جس طرح یہاں اس زمین پر جوکچھ کوشش سے حاصل کیا گیا ہے برباد ہوجاتا ہے۔ اُسی طرح اس زمین پر جوکچھ قربانیوں کے اوردیگر نیک کاموں کے ذریعہ سے آئندہ دنیا کے لئے حاصل کیا جاتا برباد ہوجاتا ہے وہ جو اپنے تئیں (یعنی مین کو) اورسچی خواہشوں کودریافت کئے بغیر یہاں سے جاتے ہیں۔ اُن کے واسطے سارے عالموں میں چھٹکارا نہیں ہے۔ لیکن وہ جواپنے تئیں اوراُن سچی خواہشوں کودریافت کرکے یہاں سے جاتے ہیں اُن کے لئے سب عالموں میں چھٹکارا ہے" (Sacred Books of the East Vol.1 ۔ سرما نیرولیمس صاحب لکھتے ہیں کہ بُدھ کے زمانہ میں سانکھیہ اوریوگ اورویدانت مت کی صورتیں بن رہی تھیں۔ اوراُن کی تعلیمات جس کا اُپنی شدوں میں اشارہ ہوچکا تھا زبانی رائج تھیں۔

اپنی شدوں میں مکررسہ کربیان ہوا تھا کہ اصل میں کوئی چیز ہست نہیں ہے۔ لیکن صرف ایک جگہ حاضرروح ہے جوشخصیت نہیں رکھتی (نرگن) اورکہ کل پر تکھیہ عالم حقیقت میں وہی روح(آتما) ہے[۱]۔

بعد اس کے یہ امر ایمانیہ ہواکہ آدمی کی روح بھی جواگیا نتا کے دھوکھے سے ایک عارضی جھوٹے خیال کے دھوکے میں آگئی کہ میں آزاد شخصیت دارہستی ہوں۔ اُس ایک روح کے ساتھ ایک ہی ہے اورآخر اُسی میں مل جائیگی۔

بعد اس کے یہ بات رائج ہوئی کہ جس حال کہ انسان کی روح نے تھوڑے عرصہ کے لئے اس طرح دھوکھا کھایا اوراُس ایک روح سے جدائی ہوئی تومجبور ہوئی کہ بیشمار جسمانی صورتیں میں بدلہ کرے اوریہ جُون بدلنا دکھ کا باعث ہوا ۔ جس سے کسی طرح بچاؤ نہیں سوائے گیان حاصل کرنے کے۔ یعنی انسان اپنی جدا شخصیت کے دکھوکھے کودوُرکرے اوریہ کامل علم اُس ایک روح میں ملانے والا ہے جس دریا سمندر میں مل جاتا ہے۔ اورایسا گیان شہوتوں کوروکنے۔ دنیاوی تعلقات کو چھوڑنے ۔ اورہر کام سے پرہیزکرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی تپ کرنے سے Buddhism Lecture v. منو کے

[۱] تو سوگنا بہتر ہے۔ اگر دل میں ہو تو ہزارگنہ" دیکھو دھرم شاستر منو ڈاکٹر برنل صاحب کا انگریزی ترجمہ۔

شاستر میں بھی ان دوذریعوں سے مکتی بتلائی گئی ہے اورمکتی بھی ویسی ہی جیسی یوگ اورویدانت مت کی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ چھٹے درست کی آیت ۲۱، ۲۴ میں یوں لکھا ہے۔

۲۱: وہ دیکھانس کی تقلید میں ہمیشہ پھولوں اورجڑوں اورپھلوں پر گذران کرے جووقت پرپکیں اورآپ ہی مرجھا جائیں۔

۲۲: وہ زمین پر لوٹے یا پاؤں کی انگلیوں کے بل ایک دن کھڑا رہے۔ یا بیٹھنے اورکھڑا رہنے میں اپنے تئیں مشغول کرے صبح اوردوپہر اورشام کو نہائے۔

۲۳: گرمی کے موسم میں بھی چاہیے کہ پانچ اگن تاپے۔ برسات میں بادلوں کوچھتر رکھے۔ موسم سردی میں بھیگے کپڑے رکھے۔ اوررفتہ رفتہ اپنی نفس کشی کوبڑھائے۔ پھر آیات ۷۵،۸۲، ۸۳ ، ۸۴ میں یوں لکھا ہے۔

۸۲۔ یہ سب کچھ جوبیان کیا گیا ہے دھیان پر منحصر ہے کیونکہ جوکوئی پرماتما (یااپنی آتما) کونہیں جانتا وہ اپنے کاموں کا پھل پاتا ہے۔

۸۳۔نردوشی اورعضوں کے ساتھ عدم پیار سے اوراُن کاموں سے جودید سکھلاتے ہیں۔ اورنفس کشی کے سخت طریقوں سے لوگ یہاں اُس کی (برہمہ کی) حالت کوحاصل کرتے ہیں(اس کے بعد جسم کوچھوڑنے کی بابت کچھ ہدایت کرکے یوں بیان کیا ہے)۔

۸۴۔ یہی جاہلوں کو پناہ ہے۔ یہی ہل تمیز کی یہی اُن کی پناہ ہے جوآسما کی آرزو رکھتے ۔ یہی اُن کی جوہمیشگی کوچاہتے ہیں۔

پھر درس ۱۲ میں یوں لکھا ہے۔

۱۱۸۔ چاہیے کہ آدمی اس کل کوہستی اورعدم ہستی کودھیان لگاکے اپنے میں دیکھے۔ کیونکہ اس کل کواپنے میں دیکھنے سے وہ اپنے من کوبرائی کی طرف نہیں پھیرتا۔

۱۲۳۔ اُس ایک کو(یعنی پورش کوآیت ۱۲۲) بعضے اگنی کہتے ہیں۔ بعضے منوپرجاپتی۔ بعضے اندراوربعضے ازلی برہمہ۔

۱۲۴۔ یہ ایک پانچ تتوں کے ذریعہ سے سب مخلوق چیزوں میں داخل ہوکے ہمیشہ جنم، بڑھتی اورموت کے ذریعہ سے پہیے کی مانند جُون کے سلسلہ کوجاری رکھتا ہے۔

۱۲۵۔اس طور سے وہ جو اپنے ذریعہ سے اپنے کوہر چیز میں دیکھتا ہے اُس کل کے ساتھ برابری حاصل کرکے برہمہ

میں داخل ہوجاتا ہے(دھرم شاستر منو۔ ترجمہ انگریزی ڈاکٹر برنل صاحب)۔

یہ وہ راہِ نجات ہے جوویدوں کے زمانہ سے منو کے زمانہ تک برہمنوں کے دینی خیالات کی ردوبدل کا نتیجہ ٹھہرا تھا۔ یعنی جُون بھوگنا ایک ڈرونا قررا دیا گیا اور اس سے رہائی پانے کی یہ تجویز سوچی گئی کہ پرماتما یا برہمہ میں مل جانا اور اس تحصیل ملاپ کے لئے دھیان اورتپ وسیلے قرار دئیے گئے ۔ یہ وہ مکتی ہے جس کی دیانندی آریہ اوردیگر ہندووعظ کرتے اوربرہمو اُسے چھوڑبیٹھے ہیں۔ اب ذیل میں مذکورہ اصولوں کی رو سے دکھلاتاہوں کہ یہ را ہ نجات کسی طرح سے انسانوں کے ماننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس عالم کے متعلق نہیں اورنہ انسان کے متعلق ہے جیسا وہ بنا ہے۔

اوّل۔ یہ کُل عالم اورپرماتما ایک ہے اُن میں کچھ بھن نہیں ہے۔ اُن کو وہ سمجھنا دھوکھے کے سبب سے ہے اگر یہ سچ ہے تو دریافت کرنا چاہیے کہ یہ دھوکھا کیونکر لگ گیاکہ دونوں بھن ہیں؟ اورکیونکر معلوم ہواکہ یہ دکھوکھا لگ گیا ہے؟

اصل میں اس گیان کا ثبوت نہیں ہے کہ میں وہ پرماتما ہے۔ یہ صرف ایک خیال واقعات کے برخلاف ہے۔ نیچری حقیقت یہ ہے کہ میں فطرتاً جانتاہوں کہ میں ہوں۔ اورمیں تویاوہ نہیں ہے۔ اوریہ بھی ظاہر ہے کہ اگرچہ سرپر میں ایک ہی عضوعلم حاصل ہے۔ کرنے کے لئے ہیں تاہم اُن کے تجربہ سے بھی یہی بات سچ ٹھہرتی ہے کہ میرے سوا اورچیزیں ہیں اورمیں وہ چیزیں نہیں ہوں۔ سودُوتیا کاگیان بدیہی امر ہے نہ کہ اگیا نتا والی بھول یادھوکھا ہے۔ پھرپرماتما کی جزوآتما کا سریر کے ساتھ سروکاء پڑجانے سے دوتیا والا گیان نہیں ہوجاتا۔کیونکہ اس گیان کی رو سے کہ ایکم برہم دوتیا ناستی سریر بھی پرماتما ہی کا حصہ ہے۔ کوئی غیر شے نہیں ہے۔ باوجود اس کے ہم اپنے اپنے علم نفسی اورتجربہ سے جانتے ہیں کہ خواہ کسی صحبت میں بیٹھیں یاکسی قسم کی پوشاک بدلیں۔ یاایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں۔ جاگیں یاسوویں کچھ کھائیں یا پئیں مگرہر ایک میں اپنی اپنی میں وہی رہتی ہے۔ یہ چیزیں اورحالتیں ہمارے علم نفسی کوضائع نہیں کرسکتی ہیں(بشرطیکہ پاگل نہ ہوجائیں) یعنی ان ودہاروں میں پڑکر بھی ہمیں یہی گیان رہتا ہے کہ میں وہی ہوں جو میں تھا۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ آتما اس بدن میں آکر بھول گئی کہ میں پرماتما ہوں اورپھر اورکس طرح یہ دکھوکھا لگ

گیا؟ جاننا چاہیے کہ آتما کو دھوکھا یا بھول نہیں لگ سکتی۔ اگر بھول لگی تو پرماتما کو لگی ہوگی نہ کہ ہمیں جن کو پرماتما نے ایسا بنایا جیسے ہم بنے ہیں۔

اب یہ دریافت کرنا چاہیے کہ کیونکر معلوم ہوتا ہے کہ دوتیا اگیا نتا کا دھوکھا ہے؟ ایک طرف اپنی شد اور ویدانت کے بانی کہتے ہیں کہ آتما نے اپنے تئیں پرماتما سے جُدا ہستی خیال کرنے میں دکھوکھا کھایا ہے اور دوسری طرف ہمارے حواس خمسہ اور آتما ہمیں یہ باور کرواتے ہیں کہ میں، تو، وہ جُدا جُدا صداقتیں ہیں ایک بات رشیوں کے بے بنیاد خیالوں پر مبنی ہے اور دوسری واقعی نیچر پر۔ اب اس بات کا کیا ثبوت کہ اُن رشیوں نے انکار دوتیا میں دکھوکھا نہیں کھایا۔ نیچر تو دوتیا کو سچ ثابت کرتی ہے ۔ رشیوں نے اس کو اگیان کیونکر کہا۔ کیا پرماتما نے بتلایا؟ لیکن اس طور سے یہ گیان آنا دوطرح سے باطل ٹھہرتا ہے۔ اول اس طرح سے کہ جس حال میں انسان کی آتما اور ہر ایک دیگر چیز وہی پرماتما ہے تو وہ کونسا نرالا پرماتما مانا جائے جس نے رشیوں کو یہ گیان دیا۔ اور پرماتما کے دیر انگ اگیان میں رہے۔ مگر کیوں اس اگیان میں رہے جبکہ گیان رکھنا ان کا ذاتی حق ہے؟ اور جب کہ ہم خود ہی پرماتما ہیں تو کسی رشی کا کیا مقدور ہے کہ میں اگیانی کہے؟ دوم اس طرح سے کہ جب تک دھیان اور تپ کر کے پرماتما میں جل نہ جائیں تب تک ہمیں ہمارے پرماتما ہونے کا گیان نہیں آسکتا۔ یہ تعلیم سکھلانے والے سکھلاتے وقت اس برہم حالت میں نہ جاچکے تھے۔ اس لئے اُن کی باتیں صرف فرضی خیال ہیں۔ اب میرے ہندو برادران کہیں کہ یہ تعلیم ہم انسانوں کے کس کام ہے۔ اور جبکہ سب کچھ دھوکھا ہے متھیا ہے یہ تو تعلیم بھی متھیا ہے۔ اور وید ، برہمنہ اور اپنی شد سب دھوکھا ہی ہیں۔ اُنک ی بات کیونکر سچ ہوسکتی ہے۔ اس حال میں پرماتما بھی متھیا ہونی چاہیے کیونکہ اس کا سچ ہونا اس عالم سے ثابت نہیں ہوتا۔ انسان کا دوہار اس دھوکھے کے عالم سے ہے نہ کہ ست سے۔ اس لئے ہم پرماتما کو ست چٹ نہیں کہہ سکتے ایسا کہنا دھوکھا ہے۔ کیوں بھائی ہندوؤ کچھ پلے بھی رہا؟

دوم۔ تعلیم جُون ایک اور بات ہے جو مرقومہ بالا اقتباسوں میں پائی جاتی ہے۔ مگر دراصل یہ ایک بے بنیاد اور فرضی ڈرونا ہے اور ذیل کی دلائل سے بالکل دور ہوجاتا ہے ڈرومت۔

اولاً۔اگر ایکم برہم دوتیاناستی درست ماناجاتا ہے توتناسخ بالکل فضول ہے کیونکہ جب نرگن برہم میں مایاآئی تھی تویہ عالم اس میں سے نمودارہوگیا پس جب وہ برہم مایا جاتی رہیگی توہرایک چیز خودہی پرماتما میں مل جائیگی۔ جُون بھوگنے کی حاجت نہیں ہے اورنہ دھیان نہ تپ کی۔ جب تک برہم کی مایا اپنے طورپر زائیل نہ ہوجائے تب تک یہ سب فضول بندوبست ہیں اورتب ہی ہماری چیتن شخصیت نُرگن برہم میں خود ہی نیست ہوسکیگی۔سومکتی کے لئے کوئی اُپاؤکرنا ضرورنہیں اورجُون کا بھی کچھ اندیشہ نہیں۔

ثانیاً:چونکہ جون کا سلسلہ پیچھے سے چلاآتا ہے توظاہر ہے کہ گذشتہ جاندارموجودہ جانداروں کے قالب میں آئے ہوئے ہیں اوربعض انسان کے قالب آئے ہوئے ہیں۔ اب تجربہ نیچر اس بات کو واضح کرہاہے کہ سب موجودہ جانوروں میں سے انسان کی اعلیٰ ہستی ہے۔گیان دھیان کا اسی کی ہستی میں چرچا ہے تواس اعلیٰ ہستی کا اپنی باقی اصلی اعلیٰ ہستی یعنی پرماتما میں مل جانا زیادہ ترمناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ مینڈک یا سوریا بندریا کوے کی جون میں ہوکر پرماتما میں مل جائے اس لئے ضرورنہیں ہے کہ انسان آئندہ اپنے سے ادنیٰ جون بھوگے۔ اوریہ اسلئے بھی کہ اپنی اس زندگی کے بھلے بُرے کاموں کا انسان ذمہ وارنہیں یہ پہلی زندگی کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اورمنوسمرتی کا انسان کی اس زندگی کے کاموں کے لئے آئندہ جون کی فہرست مشتہرکرنا رائیگاں ہے۔

ثالثاً: یہ تعلیم انتظام نیچر سے باطل ثابت ہوتی ہے۔ ہرجنس اپنی ہی جنس کو پیدا کرتی ہے۔ ہم اپنے مشاہدہ سے جانتے ہیں کہ کبوتر سے کئی نسلوں تک کبوترہی پیدا ہوئے اوروہ بھی اُس طریق عمل سے جوقدرت نے اُن کے لئے ٹھہرایا ہے ایسا ہی کتوں سے کتےاورگائے بیل سے گائے بیل اورآدمی سے آدمی۔ کسی جنس میں غیرجنس پیدانہیں ہوئی ۔ اورپھر ہرایک جنس میں مزاج بھی اپنی اپنی جنس کا ہوتاہے۔ اب میں کسی طرح ایک فرضی خیال کو ایسے واقعی امر کے برخلاف تسلیم کروں کہ میں پہلے جنم میں کوئی جانوریاپالک کا ساگ تھا اوراب انسان کے قالب میں آیاہوں جس حال کہ جدی سلسلہ اوروہ بھی انسانی میرے پہلے اورمابعد کا موجود اورثابت ہے۔

رابعاً: جون کو بمنزلہ سزا کہا جاتا ہے۔ اس زندگی کے دکھ اورسکھ پاپ اور پُن گذشتہ زندگی کے کاموں کا نتیجہ ہیں۔مگر(۱۔) یہ سزا کوئی سزا نہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہرایک جاندار اپنی اپنی سرشت موجودہ میں خوش ہے اورجیسی جس کی فطرت ہے وہ ویسے ہی کام کرتا ہے۔ بندرپھل کھانے سے خوش ہے۔ سانپ ڈنک مارنے سے اورشیر شکار سے اورکوا گوہ کھانے سے اورباز چڑیا مارنے سے خوش ہے۔ ان کاموں میں اُن کو ان کے سزا ہونے کا کچھ خیال نہیں گذرتا۔ اورنہ تکلیف ہے ورنہ ایسا نہ کریں۔ پس جواِن جُونوں میں جائے گا وہ بھی ایسے ہی کام کرے گا اورخوش رہیگا۔ (۲۔) ہم دیکھتے ہیں کہ اس زندگی میں دکھ اورسکھ اسی زندگی کے کاموں کا نتیجہ ہے۔ جوآدمی کاہل ہوتا ہے تنگی اٹھاتا ہے۔بدوضعی کرتا ہے توجسمانی تکلیفوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ مگرمحنت اورنیکوکاری کے اچھے نتیجے پاتا ہے۔ پس پہلا جُون اس سے بھی باطل ٹھہرتا ہے۔

خامساً: اگرجون کی تعلیم سچ اورواقعی امر ہے تو ضرور ہے کہ ہر انسان کو اپنی پہلی زندگی کا علم ہو۔ اُسکو یادہوئے کہ میں فلاں جانور کے جُون سے انسانی جُون میں آیاہوں تاکہ آئندہ وہ کام نہ کرے کہ پھر انسان کے جُون میں آئے۔ اوریہ یادداشت اس لئے ضروری ہے کہ اگرچہ قالب بدلتا رہتا ہے مگرآتما تووہی ہے۔ اس حال میں آتما کو ہرگذرے قالب کا پتا ہونا چاہیے۔جس طرح آدمی زندگی بھر میں کئی قسم کے کپڑے بدلتا ہے۔ سوسابیٹیاں بدلتا ،جگہ بدلتا ہے توان میں سے بہتیری حالتیں اُس کو یادرہتی ہے۔ اوراُنکے نفع نقصان بھی یاد رہتے ہیں اوریہ ہمیشہ یادرہتاہے کہ میں وہی ہوں جوفلاں جگہ یاسوسائٹی میں تھا۔ اگریادداشات نہیں ہے تو مسئلہ جُون کے باطل ہونے میں بھی ذرا شک نہیں ہے۔ آئندہ جُونوں کا اعتبار تب آئے جب پچھلوں کا کچھ پتاہو۔ بائبل ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ ہم آج شروع ہوئے اورپہلے نہ تھے۔ اوریہ سبب ہے کہ ہمیں نہ پہلا کوئی تجربہ ہے نہ علم ہے اورآئندہ حالت جس کا ہنوز تجربہ نہیں ہوا اُس کی خبردیتی ہے۔ مگرایسی خبرنہیں کہ ہم ہم نہ رہینگے۔

سادساً: یہ تعلیم سوشل اورروحانی ترقی کے برخلاف قوی ترغیب ہے۔ چنانچہ یہ ظاہر ہے کہ انسان کا دل بدی کی طرف بہ شدت مائل ہے۔ اورتعلیم جُون یہ ہے کہ اس زندگی کے کرم پہلی زندگی کے لازمی پھل ہیں۔ پس توانسان اُن سے ایسا

بے بس ہے کہ اورطرح کرنہیں سکتا ہے۔گناہ کرے یا نیکی کرے وہ ذمہ دارنہیں ہے یہ پہلی زندگی کے سبب سے ہے۔ اس حال میں انسان جتنا چاہے گناہ کرے اوریہ کہہ دے کہ یہ گناہ نہیں پہلی زندگی کے پھل ہیں۔ تواس سے بڑھ کربدی کروانے کی اورکونسی ترغیب ہوسکتی ہے۔ اورپھر جیسا ہم نے چوتھی دلیل میں بیان کیا ہے کہ ہرایک جانوراپنی اپنی سرشت سے خوش ہے۔ توکیوں بندہ انسانی قالب میں ہوکر خوب بدی نہ کرے کہ آئندہ جانوروں وغیرہ کے قالب میں جاکر خوش رہے۔ پیچھے جوقسمت میں تھا ویسا ہی گذرا۔ آئندہ جو قسمت میں ہے وہی ہوگا۔ حال میں جوقسمت میں ہے وہی کرتے ہیں۔

سوم۔ دھیان اورتپ۔ یہ پرماتما میں ملانے کے ذریعے ہیں۔ میں کہتاہوں کہ اگر جُون بھوگنا سب کے لئے ضروری ہے تو دھیان اورتپ ایک بناوٹی اورفضول بندوبست ہے۔ اوراگر دھیان اورتپ جُون سے بچا کر ایک لحظ پر ماتما میں ملادیتے ہیں توجُون لازمی نہیں ہے۔ خیرکچھ ہی ہے۔ پرمیں یہ پوچھتاہوں کہ وہ آتما جوسُور کے قالب میں آکراب سور بنی ہوئی ہے وہ اورکیا جتن کرے کہ اُس قالب سے چھٹکارا ہو۔ اورپرماتما میں جاملے؟ پھرانسان کی بابت یہ سوال ہے کہ وہ جو جنم کے دکھی ہیں۔ لنگڑے یا اندھے یا لُولے ہیں یا گونگے بہرے یا کوڑھی ہیں۔ یہ اُن کیلئے تپ محسوب ہوگا کہ نہیں؟ اوریاکہ خود سورج کودیکھتے رہنے سے آنکھیں اندھی کرلینے میں ثواب حاصل ہوتا ہے اورپھرکیا ضروری ہے کہ آہستہ آہستہ اندھا یا لولا یا پاگل بنے کیوں نہ فوراً آنکھیں نکلوا ڈالے اورہاتھ پاؤں کٹواڈالے اورکھوپڑی میں سراُخ کرکے مغز نکلوا ڈالے۔اورسب سے بہتریہ کہ پھانسی لے کرمرجائے تاکہ ایک دن میں جاتا ایک پل میں پرماتما میں جاملے۔

اب سچ یہ ہے کہ تپسیا یعنی جسم کودکھ دینا تقاضیٰ قدرت کے برخلاف ہے۔ چنانچہ برہم مایا نے انسان کو ایسا ہی بنایا ہے۔ بھوک پیاس، اناج پانی ہاتھ اورپاؤں اورزمین۔ نر اورمادہ، یعنی بدن کو پالنا اورحفاظ کرنا ضروری ہے۔ یہ سب سامان اس بات کا متقاضی طورسے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے توکام کرودھ، لوبھ، ہنکاردل میں اٹھتے ہیں۔ (دیکھو حکمت الالہام دوسرا مقصد صفحہ ۱۱۳)۔ ان کو روکنا چاہیے اورحق محنت کرکے جسم اورروح کوقائم رکھنا چاہیے۔کام چور آدمی اسکے برخلاف سکھلاتے ہیں۔ علاوہ اس کے جسم کودکھ

دینا کیونکر پرماتما میں مل جانے کی دلیل ہوسکتی ہے جبکہ جسم بھی پرماتما ہے۔ اس حال میں تپسیا ایک فضول اورفاسد خیال ہے۔

دھیان یہ نہیں جیسا عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے کلام پر سوچنا اُس کی مرضی کو معلوم کرنا اوراُس پر عمل کرکے خدا کو پیار کرنا اوراپنے تئیں جانچنا کہ میں اس پر چلتاہوں کہ نہیں۔ مگرہندوؤں میں دھیان یہی ہے کہ آدمی سوچا کرے کہ میں برہم ہوں۔ یا جیسا منوسمرتی کہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگرہم برہم ہیں تویہ سوچنے کی کچھ حاجت نہیں کہ ہم برہم ہیں۔ صرف یہ ضرور ہے کہ ہم ان دوہاروں پرغورکریں جن میں ڈالے گئے ہیں کہ کونسا بہتر ہے اورکونسا ناقص ہے۔ اوراگرہم برہم نہیں ہیں تو دھیان کرنے سے برہم نہیں بن سکتے۔ تجربہ کرواوردیکھو کہ گوسب چیزیں وہی ایک برہم ہیں توبھی ہم دھیان کرکے ببول کا درخت نہیں بن جاتے اورنہ بن سکتے ہیں حالانکہ وہ بھی ہمارا ذاتی رشتہ دارہے۔ پر ہمارا علم نفسی اور روزمرہ کا تجربہ بتلاتے ہیں کہ میں ،میں ہوں۔ میں اپنا باپ نہیں میں اپنا بیٹا نہیں میں گیڈرنہیں۔ توکوئی کیونکر خیال کرسکتا ہے کہ میں پرماتما ہوں جس کا پتا ہی نہیں کہ کیا ہے۔

اس بیان سے ناظرین کو معلوم ہواکہ ہندوفلاسفی کا مُکتی مارگ کیا ہے۔ اورکیسا بے بنیاد اورانسان کے لائق نہیں ہے۔ بہت عرصہ یہ مارگ اچھے زورمیں رہا۔مگرہندوؤں کے دینی خیالات نے ایک اورپلٹا کھایا۔ یعنی جب معلوم کیاکہ یہ باتیں سب کے عمل کے قابل نہیں توایک اورسہل تجویز جاری کی گئی یعنی ہرقسم کی بُت پرستی راہ نجات بتلائی گئی جانداروں میں سے بہادرآدمی اورعورتیں۔ بھوت پریت ،بندر ،سانپ گائے وغیرہ اوربے جان چیزوں میں سے پانی درخت اورپتھر مُکتی دانوں کی فہرست میں داخل کئے گئے۔ بیماری اورتندرستی کے فرضی دیوتے بتلائے گئے آج کل رواجی ہندو مذہب یہی ہے۔ اوریہاں تک بت پرستی کا خیال بڑھ گیا کہ ہم ہندوؤں کو یہ کہتے سنتے ہیں کہ جس چیزپر نشچا کرواُسی سے پھل حاصل ہوجاتا ہے۔ افسوس اس اندھے پن پر! باوجود اس کے پہلے ہندو فلاسفروں والے مکتی مارگ کا خیال بالکل جاتا نہیں رہا ہے۔ بت پرست ہندو اس کے بھی قائل ہیں۔ اورسچ جانتے ہیں کہ حتی کہ آجکل ہندودھرم میں اصلاح

کرنے والے دیانندی آریہ اُس پُرانے دھوکھے کو بحال کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ہندومذہب نے کروٹیں توبدلیں مگررہا اُسی پرانی دلدل میں۔ البتہ برہم سماج نے اچھی ہمت دکھائی ہے کہ اُن سب پر قلم پھیردی ہے۔ اورامید ہے کہ دیانندی آریہ بھی بہتری کی طرف ترقی کرینگے کیونکہ اب بھی وہ عیسائیوں اورمسلمانوں کی طرزپرایک خدا اوراُس کی صفات کواپنے عقیدوں میں پیش کرنے لگ گئے ہیں۔ اوراگنی ، اندر، سریا، دایو اوماروت اورسوما وغیرہ کوجوویدوں کے مصنفوں کے مختلف دیوتے تھے ایک خدا کے مختلف نام بتلاتے ہیں اورنیکی اوربدی کی نسبت بھی کچھ بہتر خیال اختیارکرنے لگے ہیں۔ اوربہتیرے رواج ویدوں کے برخلاف ماننے لگے ہیں۔ مسیحی شائیستگی اورمسیحی دین کی بھی کئی ایک باتوں کی تائید اورتقلید ہوتی جاتی ہے۔ اس حال میں اس مید کے لئے عمدہ گنجائش ہے کہ اگرہندوبرادران دین عیسوی کے مکتی مارگ کا ہندومکُتی مارگ کے ساتھ انصاف سے مقابلہ کرینگے توسچائی سے دوررہنا پسند نہ کرینگے۔ اورسب فرضی باتوں کو چھوڑکر صداقت کی پیروی کرینگے۔ خداوندکریم ایساہی کرے۔آمین۔

راقم پادری جی۔ ایل۔ ٹھاکرداس۔ گجرانوالہ

چوتھا مقصد

علم الہٰی کے بیان میں

دیباچہ

گذرے مقاصد میں ہم نے عقل کے لئے الہٰام ربانی کی ضرورت کوثابت کیا۔ اورالہام کی خوبیاں مقصد دوسرے اور تیسرے میں طریق پاکیزگی اورطریق نجات سے ظاہرکیں اور واضح کیاکہ جوجوضروری فائدے الہام کے ذریعہ سے ہم کو ہماری موجودہ ناپاک اورخطرناک اورگمراہ حالت میں پہنچ یا پہنچ سکتے ہیں وہ عقل کی اپنی تجویزوں سے بالکل نایاب تھے۔ اورتاکہ انسان معلوم کرے کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں اورکہاں جاتا ہوں یہ بات ظاہرکی گئی کہ یہ عالم قانون سے بندھا ہے۔ ہرایک چیزکسی نہ کسی قانون کی قید میں ہے جس کے مطابق اس کو عمل دکھانا پڑتا ہے ورنہ اُس میں بگاڑ ہوجاتا ہے اورانسان کی حالت بھی ایسی ہی وہ نہ صرف جسمانی قوانین کےبس میں ہے بلکہ اخلاقی یاروحانی شرع کے بھی بند میں ہے جس کی تعمیل پر ہمیشہ کی خوشی کا انحصار ہے اوردائمی رنج ودکھ اُس کی عدولی کا نتیجہ ہیں۔ اب جن

لوگوں کو خدا کی سچی پہچان حاصل ہوئی ہے اُن کو یہ باتیں خائف اورتائب بنانے والی ہیں مگر وہ جونہ خدا کے قائل اورنہ مذہب کے وہ ان سب باتوں کوہنسی میں ٹال دیتے ہیں اوریایہ کہکر ہر چیز ہے اورہم بھی خدا ہیں تومانیں کس کو اورمانے کون؟ جیساکہ کسی کا دل چاہے ویسا ہی کرے کچھ عیب نہیں ۔یہ سارا عالم ایک ازلی سلسلہ ہے آتا اورجاتا رہتاہے۔ یادرہے کہ ہرمذہب کا یہ مقدم اوربنیادی اصول ہے کہ خدا ہے اوراگرخدا ہی نہیں ہے تونیکی بدی اورمذہب کچھ چیزنہیں صرف لوگوں کی باتیں ہیں جن کا وجود اورعدم وجود برابر ہے۔ اوریہ بھی یاد رہے کہ جومذہب والے عالم کو ازلی مانتے اوریا ہر چیز کو خدا کہتے ہیں وہ دراصل کوئی مذہب نہیں رکھ سکتے ۔اُن کا مذہب کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس حال میں ہم کیا کریں؟ کون ہمیں بتلائے کہ خدا ہے اورکہ خدا کیا ہے یعنی وہ اپنی ذات اورصفات میں کیسا ہے؟ آؤ ہم الہام کا فیصلہ سنیں جس نے ہماری دیگر ضروری روحانی حاجتوں کو پورا کیا اوراس امر میں بھی ہمیں پوری روشنی دینے کا مدعی ہے۔ چنانچہ اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ جب دنیا نے حکمت سے خدا نہ پہچانا توخدا کی مرضی یہ ہوئی کہ منادی کی بیوقوفی سے ایمان والوں کوبچائے"(۱کرنتھیوں ۱: ۲۰، ۲۱۔"پس جس(خدا) کوتم بے معلوم کئے پوجتے ہومیں تم کو اسی کی خبردیتاہوں"(اعمال ۱۷: ۲۳۔ خیال رہے کہ اگرچہ الہام اس بارے میں دنیا کی حکمت کو ردکرتاہے تاہم موجودات کو رد نہیں کرتا بلکہ اُس کی طرف خدا کی خدائی اورقدرت کے لئے رجوع کرواتاہے دیکھو زبور۱۹: ۱۔آسمان خدا کا جلال بیان کرتے ہیں اورفضا اُسکی دستکاری دکھلاتی ہے اوررومیوں ۱: ۲۰ خداکی بابت جوکچھ معلوم ہوسکتا اُن پر آشکارا ہے کیونکہ خدا نے اُس کواُن پرآشکارا کیا۔ اس لئے کہ اُس کی صفتیں جودیکھنے میں نہیں آتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اورخدا ئی دنیا کی پیدائش سے خلقت کی چیزوں پر غورکرنے میں ایسی صاف معلوم ہوتی ہیں کہ اُن کوکچھ عذرنہیں۔ان باتوں نے قدرت کی چیزوں پر غورکرنے کےلئے مسیحی عالموں کو زیادہ دلیرکیا اورجس علم کوترقی دی یا نیا ایجادکیا ہرایک میں خدا کی خدائی اورقدرت کا زیادہ بہ زیادہ ثبوت پایا ہے۔ خواہ وہ کیمیا ہے خواہ زوالوجی خواہ جیالوجی اورخواہ اسٹرانومی۔ اورسیکڑوں کتابیں طبعی علم الہٰی پر لکھی گئی ہیں۔ اورالہام اوریہ خلقت ایک ہی خدا کوثابت کرنے والے بتلائے

گئے ہیں۔ اس مقصد کو ادا کرنے میں ہم بھی ایسا ہی کرینگے۔ پہلے طبعی عالم الہٰی کا بیان کرینگے اورپھر مسیحی علم الہٰی کا۔

پیشتراُس سے کہ اصل مطلب کی طرف رجوع کریں اس امر کی بابت کچھ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان کوخدا کا خیال پہلے کس طرح آیا۔ کیا بطورمکاشفہ کے خدا نے اپنا علم انسان کو دیا اوروہ روایتاً انسانی خاندان کے مختلف گروہوں میں پہنچا کیا؟ اوریاکہ بیرونی عالم نے انسان کی عقل کویہ خیال دلوایاکہ اس کا کوئی خالق ہے۔ اوراسکی پرستش کرنی چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں ذریعے اس خیال کو پیدا کرنیکی بنا ہیں۔ خدا کے خیال کی عمومیت ان دونوں بناؤں کو قبول کرتی ہے۔ بعض عالموں نے ایسی بے بنیاد باتیں پیش کی ہیں کہ پہلے لوگوں کو خوف یاجہالت کے سبب یادین کے ہادیوں کی فریب بازی کے سبب کسی خدا کا خیال آتاتھا۔ (۱۔) تعجب ہے کہ خوف یاجہالت یا فریب نے ہرجگہ اورقوم میں یہ یکساں خیال ڈالا کہ خدا ہے۔ اوراُس کو ماننا چاہیے۔ (۲۔) دنیا میں اکثر روشنی کے زمانے آتے رہے تولوگوں نے خوف اورجہالت کے جنے ہوئے خیال کو کیوں نہ چھوڑدیا۔ اب بھی روشنی کا زمانہ ہے توجہالت اور فریب کا دیا ہوا خیال کیوں نہ معدوم ہوگیا؟ برعکس اس کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کوگویا اسی زمانہ میں نوروئیدگی حاصل ہوئی ہے پچھلے زمانوں میں توہاتھ کی بنائی ہوئی مندروں میں خدا مانا جاتا تھا مگران دنوں جیالوجی، اسٹرانومی اورکیمسٹری وغیرہ کے مندروں میں خدا مانا جاتا ہے۔ (۳۔) خداکا خیال ایسا جم گیا کہ خواہ کیسی ہی جہالت ہوئی اورخواہ کیسے ہی فریبی ہوئے لیکن خدا کا خیال ہرحال میں کسی نہ کسی رنگ میں قائم رہا۔ یہ سچ ہے کہ انسان طرح طرح کی بت پرستی میں پڑگیا مگریہ کثرت پرستی توحید پرستی کے موجب نہیں تھی جہالت کے سبب کثرت پرستی کارواج ہوا مگر پہلے ایک خدا خالق مانا جاتا تھا۔ چنانچہ زبانوں اور قدیم مذہبوں کی تواریخوں سے پروفیسر میکس مُلر اوررالنسن اوررینوف وغیرہ نے واضح کیا ہے کہ پہلے سب قوموں میں توجید پرستی تھی اورہر قسم کی بُت پرستی اس کے بعد ہوئی۔ یعنی وہ زمانہ جوہومر کے اشعاروں اورویدوں اورنہایت قدیم گوتھک اورسکانڈی نے وی آن افسانوں کے پہلے تھا جبکہ یونانی اوررومی ہندی،سلیٹ اورٹیوٹن ہنوزایک ہی قوم تھے توخدا کے واسطے ایک ہی نام تھا۔سنسکرت دیوس، یونانی

زیوس،لاٹن جُو(جوپیٹرمین) گاتھک تھیوس، انگلوسیکسن تو، سکانڈی نے دی ان یتر، پرانی جرمن زیوکثرت پرستی اس کے بعد ہوئی ۔ اب ہم بھی دریافت کرینگے کہ جوکچھ زمانہ سلف نے خدا کی بابت جانا ہم بھی اُسی نتیجہ کو پہنچ سکتے ہیں کہ نہیں اورلازم ہے کہ اب خدا کی پہچان اُن کی نسبت زیادہ ترخوبی کے ساتھ ہو۔کیونکہ ہمیں الہام کی بھی مدد ہے۔

پہلا حصہ

طبعی علم الٰہی کے بیان میں

اس بات کا بیان کہ " خدا کی صفتیں جودیکھنے میں نہیں آتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اورخدائی خلقت کی چیزوں پر غورکرنے میں صاف معلوم ہوتیں کہ اُن کوکچھ عذرنہیں" ۔

پہلا باب

اس بیان میں کہ عالم کی واقعی حالت ہمیں ایک سبب اول کا خیال دلاتی ہے۔

اس عالم کی واقعی حالت میں ہم کم ازکم یہ دو ضروری امرپاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر نتیجہ کا کوئی سبب ہے۔ دوسرا یہ کہ عالم کی حالت محدود اورمحتاج ہے۔ اس میں کوئی چیز بے حد نہیں اورایک شے دوسری کی محتاج ہے۔

اب اس بات کا کہ ہرنتیجہ کا کوئی سبب ہے ہم کوکس طرح خیال آتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ قدرت ہی سے آتا ہے۔ قدرت کا یہ قانون زبردستی ہم کو اپنا علم دیتا ہے اوراگرہوش قائم ہوں توکوئی صورت نہیں ہے جس میں ہم اس کی اس تعلیم سے انکارکرسکیں۔چنانچہ ہمارا علم نفسی اورتجربہ میں

ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم عالم کے اس قانون کو جانیں اورمانیں اپنے کاموں اورخیالوں اورارادوں کی بابت ہم جانتے ہیں کہ ہم ہی اُن کے سبب ہیں۔ بغیر ہمارے ان میں سے کوئی بھی نہ ہوتا پھر بیرونی عالم میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بدون سبب کوئی نتیجہ نہیں پس ہم اس طور سے ہم کو اس قانون قدرت کا علم آتا ہے۔ اب جس حال کہ کوئی نتیجہ بے سبب ظہور نہیں پاسکتا توسبب کی تعریف یہ ٹھہری کہ سبب وہ قوت ہی جوتبدیلی یا نتیجہ کوپیدا کرتا ہے۔ سبب اورنتیجہ کا رشتہ صرف تقدیم وتاخیر کا سلسلہ نہیں ہے لیکن وہ مقدم قوت ہے جو متاخر ناموجود کی موجودگی کا موجب ہے۔

یادر ہے کہ (۱۔) یہ قانون سبب بدیہی اور ضروری اورعام ہے۔(۲۔) اُس کی سچائی علم کی ہر شاخ میں اورزندگی کے کل کاموں میں لازماً ایک بنیادی اصول تسلیم کیا جاتا ہے(۳۔) اورتمام علمی تحقیقاتیں اسی قانون کی بنا پر کی جاتی ہیں۔ عالم میں جوتبدیلیاں اورترقیاتی ہوتی رہی ہیں وہ سب اسی قانون کے سبب ہوتی رہی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عالم محدود ہے اورایک شے دوسری کی محتاج یا اُس پرمنحصر ہے۔ عالم کی یہ حالت بھی اُسی طرح معلوم کرتے ہیں جس طرح سبب اورنتیجہ کا قانون معلوم کرتے ہیں یہ فی الواقعی امر ہے کہ نیچر کی کسی چیز میں آزاد ہستی دیکھی نہیں جاتی نہ کسی کی پیدائش میں اورنہ اُس کے قیام میں۔ سب ایک دوسری پر منحصر ہیں یہاں تک کہ وہ چیزیں جو اور چیزوں کا سبب ہیں وہ خود اورسببوں کے نتیجے ہیں۔ اب محتاجی یا محدودی کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ یہ عالم کسی اورکا محتاج ہے اورایک نتیجہ ہے اوراپنی ہستی کا سبب اپ ہی نہیں ہے۔ اورایک ازلی سلسلہ محتاج ہستیوں کا بے معنی کلام اوربے ثبوت خیال ہے۔ محتاج اورازلی بھی !! محتاج ہستی کا سبب خود است وجود ہونا ضروری ہے نہ کہ محتاج ہستی خود اپنی ہستی کے لئے ایک مقدم سبب کی محتاج ہے۔ اس طور سے عالم کی واقعی حالت ایک سبب اول کا خیال دلاتی ہے۔

اتنے ہی پر خدائی کا فیصلہ ہوجاتا بلکہ اتنی تجسس کی بھی ضرورت نہ ہوتی اگرعالم میں وہ بات بھی ظاہر ہوتی جس کے ظاہر نہ ہونے کے باعث منکرِ خدا ایک طرف خدا کی ہستی کا انکارکرتے اوردوسری طرف مادہ کی ازلی بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر عالم میں ظاہر ہوتا کہ " خدا میرا بنانے والا کہاں

ہے۔۔ کہ میں اُسے دیکھتا نہیں" (ایوب ۳۵: ۱۰، ۱۴) تب تومنکرِ خدا کوئی نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے " احمق اپنے دل میں کہتا کہ خدا نہیں ہے" (زبور۱۴: ۱) اورصرف مادہ یا اسی نیچرہی کوازلی اورموجب کل ہستی کہتے ہیں۔ البتہ اس عالم کی ہستی کا انکارنہیں کرسکتے کیونکہ اپنے علم نفسی اورتجربہ سے جانتے ہیں کہ ہم ہیں اورہمارے باہر اور چیزیں ہستی میں ہیں۔ حالانکہ خدا کی ہستی تجربہ میں نہیں آتی اس لئے خدا نہیں ہے۔ چنانچہ ہولی اوک صاحب (Holyoake) اپنی کتاب منطقِ موت میں لکھتا ہے کہ " انسان باوجود اپنی دعاؤں کے اپنے عزیزوں اوراقارب کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوتا دیکھتا ہے۔ وہ گلاب کی زمین میں نہیں پھرتا ہے اورکسی خدا کی حضوری اس کی راہ کو ملائم نہیں کرتی۔ انسان کمزور ہے اورکوئی خدا اُسے زورنہیں دیتا۔۔اسلئے خدا کی ہستی فلاسفی کے خیال خواہ کچھ ہی ہے روزمرہ کی زندگی میں معلوم نہیں ہوتی۔ علام قوانین لاتبدیل قسمت ہیں یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ خدا عام قوانین سے حکومت کرتا ہے۔ وہ عملاً یہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں بغیر خدا کے ہیں۔ اے آدمی اپنی آپ فکر کر۔ اگرچہ توکمزور ہے تاہم نیچر تیری امید ہے۔۔۔۔ کل نیچر پکارتی ہے کہ سائنس انسان کا خدا ہے" منکرِ خدا ہے انکارخدا کے لئے یہ دلیل ہے کہ خدا کہیں کسی حال میں نظرنہیں آتا تجربہ میں نہیں آتا اس لئے خدانہیں ہے۔ مگر دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عالم کی واقعی حالت ایسی ہے کہ وہ اپنا سبب آپ ہی نہیں ہوسکتا الاِ کسی خودہست اورآزاد وجود سے اُس کا آغازہوا۔ نیچرخود کہتی ہے کہ میں کسی سبب کا نتیجہ ہوں۔

علاوہ اس کے جاننا چاہیے کہ کسی چیز کا ہمارے تجربہ میں نہ آنا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں ہوسکتا جبکہ اُس کی ہستی اوردلائل موجود ہوں۔ہمیں عالم کی اورخاص کر اپنی محدود اورمحتاج حالت کا بھی خیال کرنا چاہیے۔اوراس حال میں شائد وہی خدا جوہنوزایسی حالت میں ہمارے تجربہ میں نہیں آیا یانہیں آتا۔انکارِ خدا کیلئے ہمارے موجودہ تجربہ سے زیادہ ترتجربہ ہونا ضروری ہے۔ باوجود اس کےہم مان لیتے ہیں کہ سبب اول کا خیال توقدرت کی واقعی حالت سے آتا ہے مگریہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ سبب اول کیا ہے۔ اس بحث میں دہریا اورخدا پرست اس بات کو مانتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ ضرورازل سے ہے۔ یا تو وہ

خدا ہے جس نے یہ عالم پیدا کیا اوریا مادہ ہے جس سے ازلی تسلسل ہستی کا جاری ہوا۔ اوریا یہ عالم جیسا اب ہے ایسا ہی خود بخود ازل سے ہے۔ اب ان میں سے جوازلی ہے وہی خدا وہی خالق ہے۔ باوجود اس کے دہریا اورخدا پرست کے ازلی وجودوں میں بڑا فرق ہے چنانچہ اگرمادہ جس کو ازلی کہا جاتا ہے یہی ہے جوعالمی صورت میں بدلا ہوا ہے اوراس سے جدا اور کہیں ہست نہیں ہے تو اس مادہ کی بابت ہم معلوم کرتے ہیں کہ اس کی ذاتی صفات جسم، حد اورحرکت ہیں۔ مگر خدا کی ذاتی صفات یہ مانی جاتی ہیں کہ خدا روح ہے۔ اوربے حد ہے اورقادرمطلق ہے۔ اورکیا یہی سبب نہیں کہ ایسی ذات اس جسمانی اورمحدود مادہ میں محسوس نہیں ہوتی؟ منکر خدا ذرہ پھرسوچے۔

پھر یہ بات کہ یہ عالم جیسا اب ہے ایسا ہی ازل سے ہے عالم کی قدرت تواریخ سے ایک بے بنیاد خیال ٹھہرتا ہے نہ کہ الہٰیات میں ایک صداقت، نجوم اورجیالوجی عالم کی طبعی تواریخ ہیں ۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ موجودہ عالم کا شروع تھا۔ زندگی کاشروع تھا اورانسان کا شروع تھا۔ایک وقت ایسا تھا اسکو خواہ لاکھوں برس گذرگئے ہوں کہ جب عالم کے مختلف وجودوں میں سے ایک بھی ہستی میں نہ تھا۔ چنانچہ اسٹرانومی نے اُس عالم کے آغازکا سراُغ اُس مادہ تک نکالا ہے جبکہ یہ عالم نہ تھا اوروہ مادہ روشنی کا ایک وسیع تودہ تھا جسکو بنولی کہتے ہیں اورموسیٰ اُس کو روشنی کہتا ہے۔اورکہ اس سے پہلے کہ مادہ کی کیا حالت تھی نہ سائنس کچھ پتا دیتا اورنہ الہام اورنہ سائنس اس بات کا پتا ہے کہ وہ روشنی کہاں سے اورکیونکر ہوگئی مگرالہام پتا دیتا ہے۔ اگردہریا خیالی باتوں کے بجائے ان باتوں کا ٹھیک پتا دے سکیں تب تواُن کی بات سننے کے قابل ہے ورنہ ردی ہے۔ اب اُس بنولی سے عالم کی بناوٹ یوں بیان کی گئی ہے کہ" لاپلیس نجو دان نے سمجھا کہ ایک وقت یہ سورج ایک وسیع نبولی کا اصلی گودہ تھا جس کے گرد اگرد کا پتلا مادہ اُس حد سے باہر پھیلا ہوا تھا جواب سب سے دورسیارہ کی گردش کی راہ ہے۔ اُس نے خیال کیاکہ یہ مادہ اثنائے تکثیف میں اپنے مرکزِکشش کے گرد گردش کرتا تھا۔ اوراُس کے وہ حصے جواُن حدود پر تھے جہاں مرکز سے ہٹنے والی طاقت مرکز کی طرف کھینچنے والی طاقت کے مساوی ہوجاتی تھی تو وہ سکڑتے ہوئے تودے سے الگ ہوجاتے تھے۔ اوریوں متواتر مادہ کے بہت سے چھلے

بن گئے جومرکزی گودہ کے ساتھ ہم مرکزاوراس کے گرد گردش کرتے تھے[1]۔ کل عالم کے اس آغاز سے معلوم ہوتا ہے کہ بنولی کی ابتدائی حالت میں یہ قرعہ زمین ہستی میں نہ تھا"۔ اس کا والد سورج ہوگا۔ ہمارا نظام شمسی باہم ایسا پیوستہ ہے کہ ایک چیز دوسری پر منحصر ہے۔ اورآفتاب نظام کے کل حصوں پرحکم رکھتا ہے ایسا کہ یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ یہ زمین ترغالب ہے کہ وہ اس کتاب کا حصہ ہے۔پس یہ زمین بھی مثل اورسیاروں کے گیس والی حالت سے نہایت گرم رقیق جسم کی حالت میں آئی اورآخر شکل دارہوگئی اوراپنی روزانہ گردش کے باعث موجودہ صورت میں ہوگئی[2]۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عالم جیسا اب ہے ایسا ہی ازل سے نہیں تھا۔ یہ بات اس زمین پر انسان کے نمود کی تاریخ سے اوربھی قائم ہوتی ہے۔ چنانچہ جیالوجی کی رو سے ثابت ہوچکا ہے کہ انسان کسی اورجاندار سے نہیں نکلا ہے جیسا ڈارون صاحب لکھ گئے ہیں اورجواب بھی پاگئے ہیں۔ اورنہ نیچر کے قوانین یااشیاء کے اختلاط سے موجود ہوا بلکہ اُس کی زندگی ایک نئی زندگی تھی جوعالم میں پہلے موجود نہ تھی اورانسانی زندگی کوشروع ہوئے آٹھ ہزاربرس سے زیادہ نہیں ہوا۔ سوباقی دنیا خواہ کتنی ہی پہلے سے موجود ہو مگر انسانی زندگی پر ازلی تسلسل تودرکنار لاکھوں برس کا زمانہ بھی ثابت نہیں ہے۔ پروفیسر پاٹی سن صاحب اس زمین پر انسان کے نمود سے اب تک آٹھ ہزاربرس کا زمانہ ثابت کرتے ہیں اورپارس کے پروفیسر مارٹل لٹ نے جوانسان کے نمود کا زمانہ ۲۳.....(دولاکھ تیس ہزار) برس لکھا ہے اس کو ایک فرضی اورغلط حساب ثابت کرتے ہیں ۔ اوراُن باوں کا جن سے آٹھ ہزار برس غالبًا معین ہوتے ہیں مختصربیان کیا ہے[3]۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سطح زمین کے نیچے اہل جیالوجی نے چارطبقے اوپرتلے بیان کئے ہیں۔ سب سے اوپر قواٹرنری (Quaternary) اس سے نیچے ٹرٹی اری(Tertiary) اس سے نیچے سیکنڈری (Secondary) اورسب سے نیچے پرائمری(Primary) جوسطح زمین کے نیچے چوتھا طبق ہے۔ پچھلے تین ہماری تحقیقات سے تعلق نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ تیسرے یعنی ٹرٹی اری طبقہ کے سب سے اوپر کے حصے میں جسکو پلایوسین(Pliocene) کہتے ہیں اس

[1] Kimms' & Geology
[2] Nicol's Physical History of the Earth.
[3] Present Day Tracts.no.13

میں دودھ پلانے والے جانوروں کا پتا ملتا ہے اوراُنکی بعض قسموں کے ساتھ انسان کا بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے نچلے طبقے جب اپنی اپنی نوبت پر زمین کی سطح تھی تب انسان نہ تھا کیونکہ اُن پر وہ جی نہیں سکتا تھا۔ لیکن جب طبق ۴ مہینے یعنی قواٹرنری سطح زمین تھا تب دودھ پلانے والے جانوراورانسان بھی نمودار کئے گئے تھے جن کا بقیہ یعنی ہڈیاں اُس طبقہ میں جوکہ اب موجودہ سطح زمین کے نیچے ہے پائے جاتے ہیں۔ اب ہرایک طبقہ جوکہ اب موجودہ سطح زمین کے نیچے ہے پائے جاتے ہیں۔اب ہرایک طبقہ کی ساخت کے لئے جیالوجسٹ ہزاروں اورلاکھوں برسوں کی میعاد بتلاتے ہیں اورجن جن اصولوں کی رو سے حساب لگاتے ہیں وہ مختلف ہیں۔ اوراس لئے برسوں کے شمارمیں اختلاف ہے۔ چنانچہ لائل صاحب کے مقُلد کہتے ہیں کہ وہ طبقے ایسی آہستگی اور دیر کے ساتھ بنے تھے جیسے اب دریاؤں کو وادیاں بننے اورکنکڑاورچکنی مٹی کے نیچے جم جانے میں ہزاروں برس لگتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ گذشتہ زمانوں میں صریح ثبوت اس بات کا پایا جاتا ہے کہ اُن زمانوں میں طبقوں کی ساخت میں نیچر کی قوتیں اب کی نسبت بہت زبردست اورتیز رفتار تھیں۔ اورا سلئے کم زمانہ قائم کرتے ہیں اورہر مطلب کے واسطے جوانسان کے نمود کے متعلق تھاآٹھ ہزاربرس کافی بتلاتے ہیں اورآخر میں پروفیسر صاحب اپنی تحقیقات کا یہ خلاصہ لکھتے ہیں کہ سائنس کی رُو سے انسان کی ٹھیک عمر معلوم نہیں ہوتی تاہم سائنس ہمیں کئی ایک مطابق اوراغلب امور بتلاتا ہے جو انسان اور بڑے جانوروں کے ساتھ نمودارہوناآٹھ ہزاربرس پر قائم کرتی ہیں نہ کہ اس سے پہلے ایک بے حد زمانہ ، انتہا، اب سوال ہے کہ پہلا آدمی کہاں سے اورکیونکر آیا۔ اس کا سبب کون تھا؟ کیونکہ طبعی تواریخ اس کی ہستی کے ازلی تسلسل کی مانع ہے اورجیسا اب بلاسبب کوئی آدمی پیدا نہیں ہوتا ویسا ہی پہلاآدمی بھی ازخود نہیں ہوا ہوگا۔پس بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی واقعی حالت خودہی اپنے سبب اول کا خیال دلا تی ہے۔

رہی یہ بات کہ دوازلی وجود ماننا ضروری ہے۔ ایک ازلی خدا دوسرا ازلی مادہ۔ افلاطون کا یہی خیال تھا اورہندوستان میں بھی اس خیال کے بہتیرے لوگ ہیں۔ ازلی خدا کے ساتھ ازلی مادہ کی ضرورت اس لئے فرض کی جاتی ہے کہ اس عالم کے بنانے میں ازلی خدا کو سہولت ہو۔ اوریا اس

لئے کہ اگر کوئی ازلی مادہ نہ ہوتا تو نیستی سے کوئی چیز موجود کرنا محال تھا جیسا اب محال ہے چنانچہ نیچر کی واقعی حالت سے ہم جانتے ہیں کہ ہست میں سے ہست ہوتا ہے لیکن نیستی میں سے کچھ ہست نہیں ہوسکتا۔ یعنی وہ ازلی خدا بغیر ازلی مادہ کے عالم کو بنا نہیں سکتا تھا۔ دہریا کے خیال کی نسبت یہ خیال بہت ہی ناقص اورکمزور ہے۔ اورایک فضول خیال ہے۔ اولاً اگر یہ پوچھا جائے کہ اگر مادہ ازلی نہیں تو خدا مادہ کہاں سے لایا تھا؟ توہم بھی یہ سوال کرسکتے ہیں کہ خدا اپنے تئیں کہا ں سے لا یا تھا ؟ اورجبکہ اُس میں گن تھا کہ اپنے تئیں ازل سے ہست رکھے توکیا وہ خدا مادہ کوپیدا نہیں کرسکتا تھا؟ ثانیاً انسان کو اس زندگی میں صرف ہستی کا تجربہ ہے نیسی کا نہیں اورہستی کا ظہور ایسا قدیم اوروسیع ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ ضرورازل سے ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسا وقت کبھی نہ تھا کہ نیسی ہستی میں تھی۔ یعنی ہستی ہمیشہ سے ہے اورنیسی کبھی تھی ہی نہیں۔ سوجوکچھ ہے وہ ہست سے ہست ہوا ہے نہ کہ نیسی سے اوراس بات کی کہ نیست سے ہست کرنا محال ہے کہیں گنجائش ہی نہیں نہ ازل میں نہ زمن میں نہ ابد میں۔ ایسا خیال بھی نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایسے محاورہ کوالٰہیات میں سے اڑا دینا چاہیے۔ ثالثاً اگرمادہ ازلی تھا تو وہ دوسرے ازلی کے قابو میں کیوں آگیا؟ کیا ترتیب وہی کے لئے دوسرے ازلی کا محتاج تھا؟ اگراس بات کے لئے دوسرے ازلی کا محتاج تھا جیسا ظاہر بھی ہے توکیا تعجب ہے کہ اپنی ہستی کے لئے بھی دوسرے ہی ازلی کا محتاج ہو۔ ورنہ کیوں اُس کے قابو میں آگیا آزاد ہی رہتا؟ اہل نجوم نے اس میں حرکت فرض کی ہے جس کے ذریعہ سے وہ ایک حالت سے دوسری میں بدلتا رہا ہے۔ اورموجودہ صورت میں ہوگیا ہے توپھر ازلی خدا کی ضرورت ہے کیا تھی۔ پس دو ازلی وجودوں والا خیال سراسر بے ہودہ ہے۔اوریہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ مادہ اپنی ذات صفات اورحالات کی رو سے ایک سبب اول کا خیال دلواتا ہے جواس مادہ سے جدا ہے۔

دوسرا باب

عالم میں ارادہ اورنسبتی ترتیب کی رُو سے ثبوت اس بات کا کہ یہ موجودات بغیرایک عاقل اورقادرسبب کے موجودنہیں ہوسکتی تھی

جبکہ نیچرمیں قانون سبب کا انکارنہ ہوسکےاوریہ بھی مانا جائے کہ نیچرایک محدود اورمحتاج ہستی ہوتا ہے ہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ نیچرمیں ہرنتیجہ اپنا سبب نیچرہی میں رکھتاہے نہ کہ باہر۔ اوراس لئے اُس سے ایک علیحدہ اورآزاد سبب کا خیال غیر ہے نیچراس خیال کو پیدا نہیں کرتی۔ مگریہ دھوکا آمیز منطق ہے کیونکہ نیچر سے ہم نہ صرف یہ معلوم کرتے ہیں کہ ہرنتیجہ کا کوئی سبب ہے بلکہ یہ کہ ہرحکمت آمیز نتیجہ بغیرکسی عاقل سبب کے نہیں ہوسکتا پس اگرنیچری کی ہربات میں حکمت اورتدبیر ہوتو کُل نیچرکا کوئی عاقل سبب کیوں نہ مانا جائے؟ یہ اعتراض ایسا ہے کہ جیسا کوئی نامعقول آدمی ایک جیب گھڑی کودیکھے اورسوچ کے یہ کہے کہ اُس میں دوسوئیاں چلتی ہیں اورسویوں کے چلنے کا سبب ایک گھومتا ہوا پہیا ہے اوراس پہئے کے گھومنے کا سبب ایک اورگھومتا ہوا پہیا ہے اوراُس کے گھومنے کا سبب ایک سپرنگ ہے۔ یعنی گھڑی میں ہرحرکت کا سبب گھڑی ہی میں ہے اس واسطے اُس کا کوئی بیرونی کاریگر ماننا گھڑی کے اندرونی قانون کے خلاف ہے۔ اب ذرا سوچوکہ یہ کیسا بیہودہ خیال سمجھا جائیگا۔ اسی طرح جب سرسری طورسے نیچرمیں ایک چیزکو دوسری کا محتاج دیکھ کر یہ کہا جائے کہ ہرنتیجہ کا سبب نیچرہی میں ہے اس لئے اس کا کوئی سبب اول نہیں ہے تو غورکرنے سے نتیجوں اوراُن کے اسباب میں ایسی لازمی مناسبت معلوم ہوتی ہے کہ ضرور کسی عاقل کاریگر نے ہر نتیجہ اوراُسکے سبب میں ایسی مناسبت رکھی ہے اوراُس کاریگر کی مرضی اورمنشا کے موافق کام چل رہا ہے۔ جیسا گھڑی کی مثال سے ظاہر ہواہے۔یادر ہے کہ وہ جوکسی نتیجہ کا سبب معلوم ہوتاہے وہ خود کسی اورسبب کا نتیجہ ہے۔ جانداراوربیجان چیزوں میں یہ سلسلہ محتاج اسباب کا مصرح ہے اوراس لئے ان اسباب کواسباب ثانی کہا جاتاہے اورہم سب اول کی جستجو کررہے ہیں۔ پس اگرحکمت اورارادہ نیچرمیں ثابت ہوگا توثابت ہوگا کہ نیچر کی ہستی بلاکسی دانا اور قادرکاریگر کے نہیں ہوئی ۔ یعنی نہ

صرف ایک خودہست اورآزاد سبب بلکہ ایک عاقل سبب ایسی نیچر کی ہستی کے لئے ضروری ہے۔

اتفاق (Chance)

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے ہے کہ فلاں امراتفاق سے ہوگیا۔یعنی بے سبب ہوگیا ہے ایسے ہی دنیا اتفاق سے بن گئی تھی۔ مگر ایسا گمان کرنا نیچر کے قانون سبب کے سراسر برخلاف ہے اورانسان ایسا گمان کرنیکا مجاز نہیں ہے۔اصل بات یہ ہے کہ وہ امر جواتفاقی معلوم ہوتا ہے حقیقت میں بے سبب نہیں ہوتا ہے صرف اُس میں ارادہ یا عرض نہ ہونے کے سبب اُس کو بے سبب کہہ دیا جاتا ہے ورنہ اصل میں وہ بے سبب نہیں ہوتا ہے مثلاً ایک میدان یاکھیت میں گذرتے ہوئے ایک اینٹ یاپتھر دیکھنے میں آتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ اُس جگہ اورخاص اُسی جگہ جہاں پڑا ہے کسی سبب یا ذریعہ سے کہ معلوم نہیں وہاں ڈل گیا مگراُس جگہ اس کے گرنے یا پڑے رہنے میں کوئی خاص مطلب یا ارادہ نظر نہیں آتا تو کہا جاتا ہے کہ اتفاق سے وہاں پڑگیا یا پڑا ہے۔پھر ایک آدمی ایک گیند پھینکتا ہے اوروہ کسی جگہ کرتا ہوا اورحرکت دینے والے زور کے ختم ہوجانے کے سبب خاص اُسی جگہ کرتا ہے جہاں گرگیا مگرخاص اسی جگہ اُس کے گرانے کا ارادہ نہ تھا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اتفاق سے اس جگہ گرا تھا۔ مگر بے سبب تواس جگہ نہیں گرا۔ صرف ارادہ خارج ہے۔ اوردیکھو کہ چاقو سے کوئی پھل کاٹتے ہوئے انگلی کٹ جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اتفاق سے یا انجانے اُنگلی کٹ گئی۔ اب ظاہر ہے کہ بے سبب تونہیں کٹی البتہ ارادہ انگلی کو کاٹنے کا نہ تھا۔ پس بعض حالتوں میں سبب کے نام معلوم ہونے کے باعث اورہر حال میں ارادہ اورغرض کے نہ ہونے کے باعث کسی امر کو اتفاقی کہا جاتا ہے مگرکسی حال میں وہ بے سبب نہیں ہوتا۔ اب اس عالم کی حالت پر غورکرو سبب تواس کا ضرور ہے مگرنامعلوم ہے یعنی محسوس نہیں ہوتا۔ تاہم جیسا یہ عالم فی الواقعی ہے اُس میں ارادہ اورنسبتی ترتیب پائی جاتی ہے جس کی بنا پر ماننا پڑتا ہے کہ یہ عاقل اورمُدبر کاریگر کی دست کاری ہے۔ اوراس کے اتفاقاً موجود ہوجانے کا خیال مردود ٹھہرتا ہے ۔

پہلی فصل

ارادہ اورتدبیرکا ثبوت عالم کی عام ترکیب ہیں

اس فصل میں یہ دریافت کیا جائیگا کہ اس زمین کے مختلف اجزا میں باہم اورپھر اُس کا نظام شمسی کے اورحصوں کے ساتھ کیساتعلق نسبتی ہے۔

(۱۔) قرعہ زمین کی تاریخ طبعی سے ظاہر ہے کہ قدیم الایام میں یعنی اُن ایام میں جن کو جیالوجی کا زمانہ کہتے ہیں زمین کی حالت ایسی تھی کہ کسی قسم کے جاندارکی زندگی کے لائق نہ تھی مگر بدلتے رہتے ایسی حالت میں ہوگئی کہ ادنیٰ قسم کے جاندار اُس میں اوراُس پر جی سکیں۔ وہ تبدیلیاں جاری رہیں اورآخر زمین ایسی حالت میں ہوگئی کہ اعلیٰ قسم کے جائدار،جانوراورانسان کے رہنے کے قابل ہوگئی۔چنانچہ ارتھربکل صاحب ایف ، جی ،ایس لکھتے ہیں کہ" نجومی کہتے ہیں کہ یہ زمین سورج کا ایک حصہ ہے اوراس مادی تودہ سے علیحدہ ہوکر آپ سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ اپنی اس علیحدہ ہستی کی ابتدائی منزل میں وہ بے شبہہ نہایت گرمی کی حالت میں تھی اوراُس کے مرکبات ایک پگھلی ہوئی حالت میں تھے۔ جیوں جیوں اس نئے ثیارے کی گرمی کم ہوئی تواس کی سطح سکڑی اوراس کے اس وقت کثیف ہوگئے ہوئے مادہ نے ایک صورت پکڑی جوسنگ مرمر سے مشابہ ہوسکتی ہے۔اُسوقت ایک پگھلا ہوا قرعہ تھا جوایک پتھریلے پپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ اُس وقت سے اس میں بہت تبدیلیاں ہوئی ہیں جن کے ذریعہ سے سطح زمین کی موجودہ عمدہ رنگ صورت بن گئی "۔ جبکہ یہ پتھریلے پپڑے زمین کی سطح تھے توزمین کی سطح سٹیم (بھاپ) اورگیس کے پھوٹ نکلنے سے ضرور متواتر شوروفساد میں ہوگی اور زبردست زلزلوں سے ہلا ئی جاتی ہوگی۔ خوش نصیبی سے یہ حرکتیں اب صرف بعض جگہوں میں محدود ہوگئی ہیں ورنہ نباتاتی اورحیوانی زندگی ناممکن ہوتی۔ یہ زمین کی اپنی اندرونی قوتوں کی تاثیر کا زمانہ تھالیکن جب اُس پر ہوا اورپانی کا اثرہوا توان کے اثر سے ایسی تبدیلیاں ہوئیں جوسابق کی نسبت کچھ کم زبردست نہ تھیں البتہ زیادہ مفید تھیں کہ نباتات نے سطح زمین کو ملبس کیا اورحیوانی زندگی کی ادنیٰ صورتوں نے دنیا کے نمکین اورتازہ پانی کو آباد کیا جوکہ ترتیب اورخوبصورتی اورجانداروجودوں

کی طرف ترقی کررہی تھی"[1] زمین کی اس کیفیت سے ظاہر ہے کہ جاندار اُس پر نہ ہوئے جب تک کہ وہ ان کے لائق نہ ہوگئی یعنی بے جان کو جاندار کے مناسب حال کیا گیا ۔ اس سے بے بیان پیش بینی اورارادہ ظاہر ہے۔

۲۔ ہوا۔ اس میں دوذاتی خوبیاں ہیں اور وہ بڑی پُر مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شفاف ہے دوسرے یہ کہ منتشر کرنے والی ہے۔ یہ اس کے شفاف ہونے کی وجہ سے ہے کہ آنکھ اُس کے آرپار دیکھ سکتی ہے اگرہوا ایسی لطیف نہ ہوتی اورہم ہوا کودیکھ سکتے توکوئی اورچیز دکھائی نہ دیتی ہوا کی ایسی کثافت اور چیزوں کو نظر سے چھپاتی ۔ اوردوسرے اگرہوا میں مُنتشر کرنے کی خوبی نہ ہوتی توسورج کے ہوتے ہوئے بھی عموماً اندھیرا ہی رہتا۔ اوراس قرعہ زمین پر شپر چشم کارآمد ہوتی نہ ایسی آنکھ جیسی انسان کی بنی ہوئی ہے۔ پس روشنی اورآنکھ اورہوا میں عجیب مناسبت ہے۔ پروفیسر این سٹد صاحب زمین کی طرف سورج کی کرنوں کی رفتاکاریوں بیان کرتے ہیں کہ جب کرن فضا کی بالائی حدود پر گرتی ہے تو وہاں ایک لکچدار اور شفاف گیس پر لگتی ہے جونہایت لطیف ہے۔ جب نورانی خالص ہوا (Gas) سے نکل کر اس زیادہ ترکثیف علاقہ (Medium) میں داخل ہوتی ہے تواس کا تھوڑا حصہ اس خالی وسعت (Space) میں معکوس ہوجاتا ہے اورکچھ حصہ منتشر اورجذب ہوجاتا ہے اورباقی اُس علاقہ میں داخل ہوتے ہوئے اپنی رفتار سے نیچے کی طرف گھمائی جاتی ہے۔ جیوں جیوں آگے بڑھتی ہے توعلاقہ رفتار کا متواتر زیادہ کثیف آتا جاتا ہے۔ اورعکس اندازی اورانتشار کے متواتر ہوتے رہنے سے کرن راہِ راست سے زیادہ ترپھر جاتی ہے۔ روشنی جوفضا کے نہ ہونے کے سبب سورج سے سیدھی پہنچتی اورتمام خالی وسعت میں اندھیراہی رہنے دیتی اس طور سے گرداگرد کے علاقہ میں پھیل جاتی ہے۔ اوروہ کم وبیش روشن ہوجاتا ہے۔ وہ حصہ جوزمین تک پہنچتا ہی کچھ توجذب ہوجاتا ہے اورباقی سطح زمین کوروشن کردیتا ہے۔ اورجن ملکوں میں موسم سرما میں سورج مُدت تک نظر نہیں آتا یا جہاں بعض موسموں میں بادلوں کے سبب چھپا رہا ہے وہاں کے باشندے کامل تاریکی میں رہتے لیکن اس لئے کہ روشنی کا کچھ حصہ فضا میں مُنتشر اورمعکوس ہوجاتا ہے توکسی نہایت لمبی رات یاکسی موسم میں ایسی

---

[1] Physical History of the Earth. Ch.1

کوئی گھڑی نہیں کہ اُس میں روشنی قطعاً معدوم[1]۔ اس سے ہم دیکھتے ہیں کہ آنکھ روشنی کی محتاج ہے اور روشنی ہوا کہ محتاج ہے تاکہ آنکھ تک پہنچ اوراس سے ظاہر ہے کہ قدرت کی یہ اعلیٰ چیزیں ۔ حکمت اورمطلب سے پُر ہیں۔ اورباہم نہایت مناسبت کے ساتھ ہیں۔ پس جوان چیزوں کی ہستی کا سبب ہے وہ ضرور دانااورحکمت والا سبب ہے پھر ہوا انسان کی قوت سامع کے لئے وہ ذریعہ ہے جس سے آوازسنی جائے" ہوا سورج کی کرنوں کواپنے میں آزادگی کے ساتھ گذرنے دیتی ہے اوراُن کی ترقی رفتارمیں مخل نہیں ہوتی۔ لیکن اُن سے اُس کی ترکیبی اجزا میں لہریں بن جاتی ہیں اوروہ لہریں ہماری قوت سامع سے معلوم کی جاتی ہیں۔ آواز ہوا کے اجزا کی حرکتوں کا نتیجہ ہے۔ بلاہوا کے اس پلاڑمیں آوازکی رفتارنہیں ہوسکتی ۔Aensted's Physical Geography ch.12 ۔

پھرہوا کی ایک اورغرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جاندار اُسکے ذریعہ جی سکیں۔ زندگی کے لئے ہوا ضروری ہے۔ پروفیسر این سٹڈ صاحب لکھتے ہیں کہ" فضا ہر قسم کے جاندارکے لئے نہایت ضروری ہے۔ بغیراس سرب بیاپی ذریعہ کے نہایت ادنیٰ قسم کی حیوانی یانباتی خلقت جواس قرعہ زمین پر ہے اپنے کام نہیں کرسکتی"۔ اب کیا ہوا میں ایسے جوہروں کا ہونا حکمت سے خالی ہے؟ نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خاص مطلب ادا کررہی ہے اگروہ ایسی نہ ہوتی جیسی کہ ہے تویہ منشا برآمد نہ ہوتا۔ بڑی پیش بینی اورحکمت کے ساتھ ہوا ایسی بنائی گئی ہے۔

۳۔ پانی ۔ اس عالم میں اورخصوصاً اس قرعہ زمین میں پانی بھی ایک اعلیٰ جزو ہے۔ اوربڑے بڑے مطلب پورے کرتاہے۔ سمندرکی بڑی بڑی دھاراآب وہوا پر اثرکرتی ہیں۔ اورجہاز رانی کے لئے بڑی مفید ہیں۔ دریابھی نہایت مفید چیزیں ہیں۔ اُن کے دہانوں کی راہ سے جہازوں کی اُن آبادیوں کے نزدیک لانے کی سہولت ہے جودریاؤں کے نزدیک ہوتی ہیں۔ وہ فضلات اورگندی چیزوں کو بہا لیجتے ہیں جواورطرح مضر ہوتیں۔ وہ ملک جن میں دائمی پانی کی دھارا نہ ہوئیں وہ حقیقت میں نباتات اورحیوانی زندگی کے لائق نہیں ہوتا۔بلکہ ریگستان ہوتاہے۔ زمین کی سطح پر کے پانیوں کا یہ فائدہ ہے اور زمین کے نیچے کے پانی کا فائدہ کوؤں اورچشموں سے حاصل ہوتاہےPhysical Geography پھر بارش کے پانی سے

[1] Physical Geography ch.13.pp.239

آب ہوا پر بہت اثر ہوتا ہے اورسال میں کئی قسم کی فصلیں
اُسی کی محتاج ہوتی ہیں۔ جن سے نہ صرف زمین خوشنما نظر
آتی ہے بلکہ جانداروں کے لئے خوراک پیدا ہوتی ہے۔ غرضکہ
ہم دیکھتے اورآزماتے ہیں کہ پانی زندگی کے لئے ویسا ہی
ضروری ہے جیسی ہوا ہے۔ اورروشنی اورگرمی میں ان چیزوں
کی بناوٹ اورانسان اورحیوان اورنباتات کی بناوٹ میں عجیب
مناسبت قائم ہے۔ پس اس عالم کی ترکیبی اجزا ایسے بندوبست
سے بنے ہیں کہ ایک دوسرے کے مناسب ہیں اوربڑے بڑے
مطلب برآمد کرنے کے واسطے ہیں۔ ازخود یہ چیزیں ایسے
مطالب اپنے میں پیدا نہیں کرسکتی تھی اورنہ ایسی باہمی
مناسبت کوقائم کرسکتی تھیں۔ پس جس نے اُنہیں بنایا ہے یا
جہاں سے ہستی میں آئیں وہ حکمت کا خزانہ ہے جونہ مانے
دیوانہ ہے۔

دوسری فصل

ارادہ اورتدبیر کا ثبوت جانداروں کی ترکیب میں

زندگی کے آغاز کی بابت دومختلف رائے ہیں۔ ایک وہ
ہے جیسا پروفیسر این سٹڈ صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح
روشنی اورگرمی نیچر کی حرکت کی اورصورتیں ہیں یا نتیجے میں
اُسی طرح زندگی بھی اُسی حرکت کا نتیج ہے۔یہ خیال ایک اعلیٰ
اورروحانی زندگی کی معدوم ٹھہراتا ہے۔ اورصرف جسمانی
زندگی پیش کرتا ہے۔ ڈارون صاحب کے پیرووں کی بھی ایسی
ہی تعلیم ہے جو کہتے ہیں کہ زندگی کی تمام قسمیں۔ انسان بھی
ایک ہی اصل سے نکلے ہیں نہ کہ ہرقسم جاندار کے جُدا جُدا
والدین تھے۔ یعنی انسان حیوان درخت اورساگ پات سب
ایک ہی ہیں۔ اورعالموں نے اس خیال کی سخت تردید کی
ہے۔ دیکھو Kimm's Moses & Geology chp.8 Dawson's
origin of Life دوسری رائے یہ ہے کہ ہر قسم زندگی جُدا جُدا
وقتوں اورجُداگانہ طور سے پیدا کی گئی تھی ۔ ذکر ہوچکا ہے کہ
آغازعالم کے وقت زمین کی حالت زندگی کے مناسب نہ تھی۔
اورجب مناسب ہوگئی توزندگی کیونکر آئی؟ جس طرح عالم کی
ترکیبی اجزا کی موجودہ حالت سے اُس کے قدیم آغاز کا سُراغ
نکلتا ہے۔ اُسی طرح زندگی کی موجودہ حالتِ تولید سے اُس کا
ابتدائی سُراغ بھی نکل سکتا ہے کہ زندگی زندگی سے شروع ہوئی
تھی نہ کہ بیجان نیچر کی حرکت سے اورجس حال کہ نیچر کے
مرکبات کی حرکت سے ویسی ہی تبدیلیاں اب بھی ہوتی ہیں

جیسی اس کی ابتدائی حالت میں بیان کی جاتی ہیں مثلاً انتشار، انجماد، گردش ، اورگرمی کا گھٹنا توکیا سبب ہے کہ زندگی زندگی سے نکلتی ہے نہ کہ اس طور سے جیسا اُس کا اصل بیان کیا جاتا ہے۔ اگرانسان اورحیوان اور نباتات کا کل تخم فنا کردیا جائے توکیانیچر کی حرکت سے یہ سب قسمیں زندگی کی پیدا ہوجائینگی؟ عالم کے موجودہ انتظام کی رو سے یہ مشکل ہے اورعالم میں ایسی بات ناپدید ہے۔ زندگی کوہم نیچر میں ایک قوت معلوم کرتے ہیں جوخاص طور کے مطلب ادا کرنے کے واسطے تجویز کی گئی تھی۔ چنانچہ ذیل کی باتیں اُس کی نسبت ظاہرہیں۔

۱۔ ہر جاندار کی بناوٹ ایسی تجویز سے ہے کہ ہرقسم جاندار کی اپنی اپنی زیست کے مناسب ہے اور وہ وہی کام کرتے ہیں جواُن کی اپنی اپنی بناوٹ کی رُو سے ممکن ہیں۔ غیر کام کا اُن کی بناوٹ میں حکم نہیں ہے۔

۲۔ ہرقسم جاندارمیں اپنی اپنی نسل قائم رکھنے کی قوت اورسامان ہے۔ اوریہ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ نیچر میں ہلاک کرنے والی عادت ہے۔ اگرجانداروں میں یہ قوت وسامان نہ ہوتو ہم نیچر میں اس کواورطرح پیدا کرنے کا بندوبست نہیں دیکھتے اب اس قیام نسل کے واسطے ایسا عجیب بندوبست ہے کہ بلا ایک عاقل کاریگر کوماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ چنانچہ نرومادہ کا ہونا اگرچہ دونوں علیحٰدہ شخصیت رکھتے ہیں اوراُن کی بناوٹ میں بھی کچھ فرق ہے تاہم وہ فرق ایک بڑا مطلب پورا کرنے کے واسطے معلوم ہوتا ہے ۔ یعنی نرومادہ کے اعضا وقوا بقاء نسل کے لئے ایک دوسرے کے مناسب بنے ہیں۔ اوریہ نہایت دُوراندیشی اورحکمت کا کام ہے۔

۳۔ جانداروں کی بناوٹ ایسی تجویز سے ہوئی ہے کہ اس قرعہ زمین پر جی سکیں یعنی اس روشنی اورگرمی اورہوا اورپانی اورخشکی میں جواس قرعہ زمین کے متعلق ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب چیزوں کی تاثیر ایک جیسی نہیں ہے اپنی اپنی جگہ خاص تاثیریں رکھتی ہیں اورآپس میں مل جانے سے اثرکچھ بدل جاتا ہے۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ ہرجاندار ایسی بناوٹ رکھتا ہے کہ ان چیزوں کی جُدا تاثیروں اوراُن کے ملاپ کے اثر کے درمیان بھی گذران کرسکتا ہے۔ جب ہم ایک جہاز کو پانی پر تیرتا ہوادیکھتے ہیں اوردریافت کرتے ہیں کہ وہ کیوں اس طرح تیرتا ہے تواُ سکی بناوٹ سے

معلوم کرتے ہیں کہ وہ پانی پر تیرنے کے واسطے خاص تجویز سے بنایا گیا ہے اوراگراُس کو خشکی پرچلانے کی غرض ہوتی تواُس میں پہئے لگائے جاتے۔ اسی طرح جانداروں کی بناوٹ نیچر کی اُن چیزوں کے مناسب بنی ہے۔ اوروہ اُسی عنصر میں گذران کرتے جسکے لائق بنے ہیں۔

بحری جانداروں کا حال

بحری جانداروں میں سے ہر قسم کی مچھلیوں پر غورکرو۔ وہ اُس ہوا کے ذریعہ سانس لیتی ہیں جوپانی میں ہے۔ اوراُن کے گلپھڑے یعنی سانس لینے کے اعضا اگرخشک ہوجائیں وہ دم بند ہوجاتی ہیں۔ اُن کے گلپھڑوں کو پانی کے اوراُس کے ہوا کے ساتھ جوپانی میں ہے کیسی مناسبت ہے۔ وہ نہ صرف اپنے پروں اوردُم کی لکچدارپتواروں کے ذریعہ سے تیرتی ہیں جوپانی کومارنے یا ہٹانے کے لئے نہایت مناسب ہیں بلکہ اپنے جسم کی عجیب لکچداری کے باعث بھی تیرتی ہیں جوپانی میں کامل آسانی کے ساتھ پھسلتا رہتا ہے۔ مثلاً وہیل مچھلی جوبڑے سمندروں میں ہوتی ہےان میں سے بعض نیچر کے کل جانداروں میں سب سے بڑا وجود رکھتی ہیں۔ معمولی وہیل ساٹھ فٹ لمبی ہوتی ہے اورصرف اُس کا سربیس فٹ طول میں ہوتا ہے۔اوروزن میں سترٹن سے کم نہیں ہوتی۔یہ جانور اپنے بڑے بڑے جبڑوں میں نہایت چھوٹے اورملائم جانوروں کے سوائے اورکوئی چیز گذارنہیں سکتا۔ اورایسی خوراک پر گذران کرتا ہے جوبظاہر ایسے بڑے جانور کی پرورش کے قابل معلوم نہیں ہوتی۔ اور وہیل مچھلیاں ہیں جوان سے بھی بڑی ہیں۔ اورجن کے لئے اورقسم کی خوراک ہے۔ یہ سب قسمیں پانی میں نہایت زوررفتار ہیں اورجس عنصر میں رہتی ہیں اُس کے نہایت مناسب بناوٹ رکھتی ہیں"۔

بحری پرندوں میں سے گوُانس وہ ہیں جواوربحری پرندوں سے اپنی بناوٹ میں بہت فرق رکھتے ہیں۔ اُن کے بازو ایسے بنے ہیں کہ فقط پانی میں گذرنے کے مناسب ہیں وہ ایسی تیزی اور استواری سے تیرتے ہیں۔ صرف سرپانی سے باہر رہتا ہے۔ کہ مچھلیوں کو رگید کر پکڑسکتے ہیں۔ وہ سمندرمیں رہتے ہیں اورخشکی سے ہزار میل کے فاصلہ پر دیکھے گئے ہیں۔(فزیکل جغرافیہ این سٹڈ صاحب۔ باب ۱۹)۔ اس قدر بحری جانورہیں کہ ہر ایک کا بیان کرنا کلام کوطول دینا ہے ہمارے مطلب کےلئے یہی کافی ہیں۔

برّی جانداروں کا حال

برّی جانداروں کی بناوٹ پر غورکرنے سے بھی عجیب حکمت کے کارخانے نظر آتے ہیں۔ پرندے اورچرندے جوکہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں توبھی اُن کی پوشاک ہے جوموسم کی سختیوں سے بچائے۔سرد ملکوں میں رہنے والے پشم وارد ہوتے ہیں اوراگرم ملکوں میں رہنے والے اُس کے بغیر ہیں۔ گوشت کھانے والوں کے دانت اورپنجے زبردست اورخمدار ہوتے ہیں۔ اورایسے پرندوں کی چونچ اورپنجے اسی طرح کے ہوتے ہیں ۔ گھاس اوردانا کھانے والے چرندوں اور پرندوں کے دانت کی بناوٹ ویسی نہیں ہے۔ مثلاً ایک باز اورایک کبوتر کے چونچ اورپنجوں کودیکھو۔ شیر اوربکری کے منہ اورپاؤں کی بناوٹ کا ملاحظہ کرو۔ بندروں کی قسمیں جنگلوں میں رہنے والی ہیں اُن کے ہاتھ اورپاؤں ایسے بنے ہیں کہ بہت جلدی اورسہولت کے ساتھ درختوں پر چڑھ سکیں۔ پرندوں کی ساخت ایسی ہے کہ ہوا میں ایسی سہولت کے ساتھ اڑسکیں جیسا چوپایا زمین پر چلے۔ جوجانورجس عنصر میں زیادہ رہتا ہے یاجس آب و ہوا میں پیشتر گذران کرتا ہے اُسکو عنصر میں رہ سکنے کیلئے سامان دیا گیا ہے۔

بعض جاندار ایسے ہیں جن کو اپنی خوراک کے لئے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً شہد کی مکھی، اب اس کام کےلئے اُس میں حیوانی عقل اورجسمانی ہتھیار دئیے گئے ہیں جن کے سبب سے وہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چھتا بناتی ہیں۔ دوسری مکھیوں میں یہ سامان نہیں اوراس لئے وہ ایسے کام نہیں کرسکتی ہیں۔ غرضکہ جس جاندار کی نسبت جوغرض تھی ویسا ہی اُس کو بنایا گیا ہے اوروہ وہی کام کرتا ہے جواُس کی بناوٹ کے مناسب ہے اوراپنے مناسب عناصر وجگہ میں گذران گرتا ہے۔ پس جانداروں کی بناوٹ اورعناصر میں ایسی مناسبت کا پایا جانا صاف ثابت کرتا ہے کہ کسی کاریگر نے بہت سوچ کے ساتھ جانوروں کو بنایا ہے۔ اتفاقاً یہ مناسبت قائم نہیں ہوگئی۔ اگراتفاقاً اورخودہی ایسا ہوگیا ہوتا تو ڈولا مچھلی خشکی پرجی سکتی اورگوریا چڑیا پانی میں۔ ہمارے مطلب کےلئے یہ اشارے ہی کافی ہیں مفصل کیفیت کےلئے کتب زوالوجی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس مختصر میں

ہرجاندار کا بیان کرنے سے کلام طول ہوتا ہے سوان کو چھوڑکر ہم

انسان کا احوال

بیان کرینگے جوفخر المخلوقات اورنیچر کا خداوند معلوم ہوتا ہے۔ جواگرچہ نیچر میں ایک نیتجہ ہے مگر ایسا بنا ہے کہ بڑے اورعجیب نتیجوں کا سبب بھی ہو۔ اس میں بڑے اعلیٰ جوہر ہیں جن سے یہ خودایک عاقل کاریگر ٹھہرتا ہے۔ انسان کی بناوٹ ثابت کرتی ہے کہ نیچر کا سبب نہایت دُوراندیش اوردانا کاریگر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایسا بنا ہے کہ اُس کے جسمانی اورروحانی حصوں میں عجیب نسبت ہے اورعلاوہ اس کے وہ اورجانوروں کی نسبت زیادہ تراس قابل ہے کہ یہ نیچر کا اپنے لئے خاطر خواہ استعمال کرسکے۔ اوراس کی فضیلت اس بات میں ہے کہ وہ صاحبِ عقل ہے اورعاقل وجود ہونے کے سبب وہ قرعہ زمین کے مختلف ملکوں اورمختلف آب وہوا اوراشیا کا مفید طور سے استعمال کرسکتا ہے۔ اپنے کھانے پینے اورپہننے اورسیر اورآرام کے متعلق جتنے ہنُر وتدبیریں انسان کی ہیں وہ سب اُنہیں چیزوں میں سے کی ہیں جو زمین پر پہلے ہی سے اس کے لئے موجود تھیں۔ اُس کے باہر زمین موجود ہے پانی برستا ہے اور روشنی اورگرمی ہے اوراناج پکتا ہے۔ اُس کے اندر اُس اناج کوکھانے اورہضم کرنے اورازاں موجب اپنی پرورش کرنے اور فضلات کوخارج کرنے کا سامان موجود ہے۔ اس کے باہر کثیف اورلطیف اوررقیق چیزیں ہیں۔ مختلف بُو اورمختلف مزے کی چیزیں ہیں۔ روشنی اورآواز ہے ۔ اُس کے اندرچھونے اورسونگھنے اورچکھنے اوردیکھنے اورسننے کی قوتیں ہیں جو ان بیرونی چیزوں کے فائدوں اورنقصان کی خبر اندر پہنچاتی ہیں۔ پھر جب نیچر کی چیزیں یعنی ہوا، پانی یا نباتات یا حیوان اس کی پرورش اورآرام کے مانع ہوتے ہیں تو انسان میں ایسی سمجھدار عقل ہے اوراُس کے جسمانی اعضا عقل کے ایسے مطیع اورمناسب بنے ہیں کہ انسان اُن تمام رکاوٹوں کودُور کرتا اورنیچر کو محکوم کرتا ہے۔ مثلاً نقصان پہنچانے والے دریاؤں کی راہ بدل دیتا ہے۔ بے آب زمین کے لئے نہریں چلاتا ہے یا کنوئیں کھدواتا یا تالاب بناتا ہے جیسا قدیم زمانے میں لوگ کرتے تھے۔ وہ زمین جوجنگلوں سے رُکی ہوتی ہے اوراُس کے لئے خوراک پیدا نہیں کرتی تواُن جنگلوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔ اورکاشتکاری کے لئے زمین نکالتا ہے۔ اگردرندے اورچرندے

اورپرندے اورکیڑے مکوڑے اُس کے نقصان کا باعث ہوتے ہیں تواُنہیں برباد کردیتا ہے ۔ ہاں جب خشکی وتری اُس کی سیروتجارت میں رکاوٹ کا باعث ہوں تواُن پر سواری کرتا ہے اوراُن کا رکاوٹوں کو اپنے لئے سہولتیں بنالیتا ہے۔ ایسا نہ کرسکتا اگر نیچر کو استعمال کرنے کی سبب اُس میں عقل نہ ہوتی۔ اورکوئی جاندار ایسا حاکم ہونے کی خوبی نہیں رکھتا۔اس کی عقل نہ صرف جسمانی کاموں میں ایسی سمجھ اورقدرت رکھتی بلکہ عقلی اورروحانی باتوں پر بھی حکم رکھتی ہے۔ کُل فلسفہ کیا فلکی کیا زمینی کیا عقلی اورکیا اخلاقی اسی عقل کا نتیجہ ہیں۔غرضکہ انسان کی بناوٹ ایسی اسی لئے ہے کہ وہ خود بھی ایسے عجیب کام کرے۔ نیچر اوراس کی بناوٹ میں ایسی نادرمناسبت اس عالم کے کاریگر کی حکمت کا ظہور ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عالم کی ہرچیز میں۔ بے جان اورجاندار چیزوں میں یعنی اُن کی بناوٹ میں ہم ارادہ اورتدبیر صاف صاف محسوس کرتے ہیں ۔ اورعالم کی یہ حالت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ایمان لائیں کہ عالم کا ضرورکوئی عاقل اورقادر سبب اول ہے جس کو ازلی ہستی کے لحاظ سے خدا یا یہوواہ کہا جاتا ہے۔ اورجب عالم میں قدرت دیکھتے ہیں یعنی کہیں آفتاب جیسے وسیع اوربھاری جسم کو لٹکے ہوئے اور کہیں سیاروں کوگردش کرتے ہوئے اورکہیں زمین کو مُعلق دیکھتے تومعلوم کرتے ہیں کہ جوکوئی اس عالمی انتظام کا سبب اول ہے وہ ضروران سب چیزوں کی نسبت زیادہ تر قادر ہے اوراس لئے اُس کو قادرمطلق کہا جاتا ہے۔ اورپولوس رسول کا یہ قول کہ خدا کی ازلی قدرت اورخدائی خلقت کی چیزوں پر غورکرنے میں صاف معلوم ہوتی ہیں بالکل درست ہے۔(دیکھو رومیوں ۱: ۲۰)۔

جاندار کی عالم کے ساتھ مناسبت توظاہر مگرعالم کی چیزیں بھی اپنی نوبت پر ایسی خوبی رکھتی ہیں جوجانداروں کی گذران کے عین مناسب حال ہیں۔ چنانچہ اس امر میں نیچر کی مشُترک خوبی اُس کی یکساں پائداری ہے۔ اورنیچر کی اس پائداری کی بنا اوراعتبار پر ہر ایک کام ہوسکتا اور ہوتا ہے۔ ورنہ انسان کوئی کام ،کوئی تجویز کوئی علم ظاہر نہ کرسکتا ۔ زمیندار زمین کھودکے بیج بوتا ہے اس اعتبار پر کہ کل اورپرسوں اورآئندہ سال تک سورج اورہوا رہینگے اور فصل پکیگی۔ انجن بنائے جاتے ہیں تاکہ اُن میں سٹیم قابو کرکے اس کے ذریعہ اورکام کئے جائیں پر اگراسٹیم میں دائمی قوت نہ ہو

تو نہ سٹیم انجن ایجاد ہوتے اوراگرایجاد ہوتے توجاری نہ رہتے۔ایسا ہی اگرکُل پانی کبھی آگ ہوجاتا کبھی گارا کبھی زمین کوچھوڑآسمان کوچڑھ جاتا توپیاس کے مارے مرتے فصلیں پیدا نہ ہوسکتیں۔تجارت بحری نامعلوم رہتی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیچر کی چیزوں کی اس خوبی کے سبب پرندے بلا سوچ ہوا میں اڑپڑتے ہیں۔ مچھلیاں پانی پر تیرتی اورتیر سکتی ہیں۔ پس نیچر خود بھی جانداروں کے مناسب بنی ہے۔ کیوں مختلف چیزوں میں باہم نسب ہے؟ اورلطف یہ ہے کہ اس نسبت سے عمدہ مطالب حاصل ہوتے ہیں ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہی کے برآمد کرنے کے لئے یہ نسبت قائم ہے۔

تیسری فصل

ایسے نسبت اورتدبیرآمیز عالم کا سبب اوّل ضرورایک عاقل وجود ہے

ایسے ثبوتوں کے سامنے اس بات کا انکارنہیں ہوسکتا ک عالم کی چیزوں میں بڑی نسبت ہے اوراُس نسبت کے سبب سے پرمطلب نتیجے ظہورمیں آتے ہیں۔ اورکہ ایسا بندوبست بدوں ایک عاقل فاعل کے ناممکن ہے۔ توبھی بعضے لوگ خصوصاً دہریا اس بات کو ٹالنے کے لئے کچھ اورعذربھی کرتے ہیں۔ اُن کی حجت کا جواب ہم نے شروع باب ہذا میں دیا ہے مگرباقی حجت کا میزان کرنا بھی ضرورمعلوم ہوتا ہے۔

انسانی محاورہ میں جوانسان کے علم نفسی اورتجربہ پر مبنی ہے عاقل وجود اُس کو کہا جاتا ہے جوعقل رکھتا ہے ۔ جس میں ارادہ اورمرضی اورسوچ شامل ہیں۔اس جوہر کے باعث انسان کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اورسوچ سوچ کر ایسے ذریعے استعمال کرتاہے اورایسی نسبت کے ساتھ اُن کو پیوستہ کرتاہے کہ کام یا منشا مطلوبہ ظہور میں آجاتا ہے۔نیچر کی دیگر مادی چیزوں میں ایسی عقل نہیں ہے اب چونکہ نیچر کے بناوٹ میں ایسے ذریعے استعمال کئے گئے ہیں جوباہم نسبت رکھتے ہیں اوراس تجویز کے سبب خاص خاص مطلب حاصل ہورہے ہیں اوراگر ایسی نسبت اورتدبیر نہ ہوئے توایسے نتیجے ظہورمیں نہ آئیں اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ یہ نیچر بدوں کسی عاقل وجود کے موجود نہیں ہوسکتی تھی۔ یعنی اس کا سبب اوّل ایک عقلی وجود ہے ایک شخص ہے جس میں مرضی اورارادہ اورسوچ ہے۔ کیونکہ ہم اپنے

حال اور تجربہ سے جانتے ہیں کہ ترتیب اورتدبیر والے کام عقل ہی کرتی ہے اورا سلئے یہی یقین نیچر کی نسبت رکھتے ہیں کہ نیچر ایک عقل کُل کے ارادہ کا ظہور ہے نہ کہ ایک اتفاقی آواگون ہے۔

مگر دہریا کہتے ہیں کہ جوتدبیر اورنسبتِ باہمی نیچر میں پائی جاتی ہے وہ نیچر ہی کی روح کا نتیج ہے۔ کسی غیر یاجُدا عاقل کاریگر کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ مشہور فلاسفر ہیوم صاحب کہتا ہے کہ" ارادہ والی دلیل تشبیہی ہے (قطعی نہیں) اورپھر ہم اس بات کو مان لینے کے مجاز نہیں ہیں کہ چونکہ ہم تجربہ سے جانتے ہیں کہ مکان جہاز، گھڑیاں اور حکمتیں جوہم دنیا کے انتظام میں ایجاد کرتے ہیں اُن کا سبب عقل ہے اس لئے فقط یہی سبب ہے جوبا ترتیب بندوبست پیدا کرسکتا ہے کیونکہ نسبتی ترتیب کے لئے شائد عقل کے سوا اورسبب ہوں۔ اورکہ اس قسم کے سبب کے جو ہم اپنے میں پاتے ہیں چیزوں کے کُل انتظام کے لئے بتلانا انسان کو عالم کا ناپ بنانا ہے"(Natural Religion)۔

اس فلاسفی میں سب فرضی باتیں ہیں۔ کیونکہ ہم ظاہراً حقیقتوں کو دیکھتے ہیں اوراس مشاہدہ میں انسان کو ہزاروں برس گذرگئے ہیں۔ کہ سبب اوراسکے نتیجہ میں یاکسی مطلب اوراُس کے وسائل میں جومناسبت دیکھی جاتی ہیں (نیچر میں) اورجو انسان کی حکمتوں میں رکھی جاتی ہے اُس کی نیچری تفسیر بھی ہے کہ عقل اورفقط عقل ہی ایسے ایسے بندوبست کا معلوم سبب ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ شائد اس ترتیب کا کچھ اورسبب ہوایک فرضی بات ہے۔حقیقت کے برخلاف ہے۔ اُس علم اورکیفیت کے برخلاف ہے جونیچر خود ہمیں دیتی ہیں۔ جس طرح ہیوم اور دیگر دہریوں کی تصنیفات ظاہر کرتی ہیں کہ وہ کسی اہلِ عقل اورپُرسوچ انسان کا کام ہیں نہ کہ کسی گوسپند کا یا قلم اور سیاہی اورکاغذ کی اتفاقی آمیزش کا اسی طرح صحیفہ نیچر کے صفحے ترتیب اورتدبیر کو اپنے میں ایسا بیان کرتے ہیں کہ انسان کی عقل اُن میں عقل ہی معلوم کرتی ہے۔ اُن کوعاقل شخص کا کام تسلیم کرتی نہ کہ کسی اورمشکوک سبب کا۔ دھریوں کا ایمان فرضی ایمان ہے۔ اورپھریہ کہنا کہ اس سے انسان کل عالم کے لئے ایک نپوا ہوجاتا ہے کچھ اندیشہ کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ خود نیچر ہی میں یہ نپوا پایا جاتا ہے اوریہی ایک نپوا پایا جاتا ہے۔ اُس نے آپ ہی یہ ناپ منظور کیا ہے اس لئے ہم مجبور ہیں کہ

نیچر کو اُسی سے ناپیں۔ اوروہ نیچر کویوں ناپتا ہے کہ جس کام میں ترتیب اورتدبیر پائے جاتے ہیں وہ عقل کا کام ہے۔ اورکسی کا نہیں ہے۔ اور نیچر میں پُرتدبیر بندوبست ہے اس لئے کل نیچر کسی عاقل فاعل کا کام ہے۔

دہریا اپنی بات کے لئے نیچر میں ایک اصول یا روح کہتے ہیں جویہ سب کام کرتی ہے۔ یعنی نیچر خود ہی کرتی ہے اوراس کے ثبوت میں (۱) حیوانی عقل اور(۲) جانداروں کی بناوٹ کوپیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بندوبست نیچر کی ذاتی اندرونی قوت کا نتیج ہے۔ وہ اندرہی اندر ایسا ارادہ کرتی ہے ، نیچر کے کاموں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے میں نیچری قو ت سے اپنا عمل دکھاتی ہے حالانکہ انسان کے کاموں میں ارادہ جوانسان کی محنت میں ہے وہ ایجاد شدہ چیز سے باہر ہے۔ اس لئے انسان کے کاموں میں جوترتیب اورتجویز سے پُرہوتے ہیں نیچر کے پُرتدبیر بندوبست کے لئے دلیل نہیں ہوسکتے کہ اس کا بھی کوئی عاقل فاعل ہے۔ یعنی انسان والی تجویزوں کا بانی عاقل شخص ہے مگرنیچر کی تجویزیں اس کے بغیر ہوسکتی ہیں۔ کسی ویسے مشکوک سبب سے جس کا ہیوم صاحب نے گمان کیا ہے۔

میں پوچھتاہوں کہ نیچر کی وہ پوشیدہ قوت جو بدوں عقل کے حکمت کے کام کرتی ہے کس طرح ثابت ہے؟ یہ بات نیچر کے کسی خفیہ مشکوک یا نامعلوم سبب کے متعلق نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بناوٹ اپنی آپ ہی بانی نہیں ہے۔ اوریہ بھی ظاہر ہے کہ بے سبب بھی نہیں ہے کیونکہ حیوانی عقل اورجانداروں کی بناوٹ اپنی اپنی جنس کے مطابق اپنے اپنے والدین سے آتے ہیں۔ اوروہ بھی ایسے بندوبست کے ساتھ کے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ گائے سے گھوڑا نہیں ہوتا اورکوے سے ابابیل نہیں ہوتی کنک سے کبھی جونہیں ہوتا۔ انسان سے بندر نہیں ہوتا۔ بلکہ ہرجنس اپنی جنس کو پیدا کرتی ہے۔ اوریہ بھی ظاہر ہے کہ اورطرح یہ حیوانی عقل اوربناوٹ ظہور میں نہیں آتی۔ اگر بے جان مادہ میں زندگی اورعقل بذاتِ ہے یا کوئی پوشیدہ ذاتی روح ہے تووہ ایسی بناوٹیں جوحکمت سے پُرہوں اورطرح بھی ظاہر کرسکتا ہوگا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آگ ہوا پانی مٹی جانداروں میں ہیں وہی اُن کے باہر بھی ہیں تو وہ عناصر ایسی بناوٹیں ازخودیا اورطرح کیوں پیدا نہیں کرتے؟ اورفقط والدین میں حکمتی بندوبست کس طرح آیا یا محدود ہوگیا؟ اس حال میں ضرور ماننا پڑتا ہے نیچر خودہی منواتی

ہے کہ یہ سب کسی اورعاقل فاعل کا کام ہے اورنیچر کا بدوں عقل کے خود ہی حکمت کے بانی ہونے کا خیال مردود ٹھہراتی ہے۔

اوراگریہ تمام تدبیریں مادہ کے اجزا کی حرکت کا یا کسی اصول کا نتیجہ کہی جائیں تومادہ کی ذاتی بناوٹ میں تدبیر اورحکمت اور دُوراندیشی موضوع ماننی پڑیگی اورازاں موجب مادہ کے اجزا کا ایسی تدبیر اورنسبت کے ساتھ ہونا کہ جس سے ایسے مطالب حاصل ہوں خودمادہ کوایک عاقل کاریگر کی دست کاری ٹھہراتا ہے۔ جس نے مادہ کو ایسا بنایا کہ موجودہ عالم اس سے برپا ہو۔ غرضکہ ہم ایک عاقل فاعل کی کاری گری ہونے سے بھاگ نہیں ہوسکتے۔

یہ سب جھگڑا چھوڑ کر اگراس عالم کاایک ازلی خود ہست بانی ماننے کے بجائے یہ مان لیا جائے کہ یہ عالم ہی ازلی اورخود ہست ہے تو اس میں کیا ہرج ہے ؟ ماننے میں دونوں یکساں ہیں۔

معلوم ہوئے کہ ہم کسی کی خاطر داری کے لئے عالم کے ایک ازلی اورخودہست بانی کی تلاش نہیں کرتے۔ لیکن عالم کی حالت اہلِ عقل کومجبورکرتی کہ اس کوکسی فاعل کی کاری گری مانیں۔ اجابت مطلوبہ میں مشکل یہ نہیں ہے کہ ہم ایک خودہست ازلی وجود کومانیں خواہ وہ خدا ہوخواہ مادہ۔ مگرمشکل یہ ہے کہ اس مادی عالم کوکیونکر خودہست اورازلی مانیں جبکہ اُس کا ہرجزواورہر واردات سبب کی محتاج اورزمانی ہے۔ اس لئے اہلِ عقل ایسا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اورجوخود کوئی واردات یا نتیجہ کسی اور سبب کا نہ ہو۔ اورخدا کواسی لئے ای ازلی ہستی مانتے اور منواتے ہیں کہ وہ کوئی نتیجہ یا واردات عالم کے نتیجوں کی طرح نہیں ہے۔

دوسرا حصه

الہامی علم الہٰی

دیباچه

دنیا نے حکمت سے خدا نہ پہچانا" (۱کرنتھیوں۱: ۲۱)

پہلے حصه میں ہم نے معلوم کیاکه خلقت کی چیزوں سے خدا کی ازلی قدرت اورخدائی صاف ظاہر ہے ایسا که انسان کوکچھ عذرنہیں۔ توبھی انسان کی دینی تواریخ سے ظاہر ہے که" دنیا نےحکمت سے خدا کو نه پہچانا" کچھ تواس لئے که انسان نے حقیقتوں سے نہیں قیاس سے زیادہ کام لیا اورکچھ اس لئے که خدا کی نسبت بعض بڑی باتوں کا نیچر پتا نہیں دیتی۔ اوراس کمی کو پورا کرنے کے لئے قیاسی کوشش کی گئی اوراس لئے خدا کی بابت مختلف خیالوں میں پڑگئے"۔ اس سبب سے الہام نے کچھ تو اپنے اعلیٰ مشاہدہ سے اورکچھ قدرت کی چیزوں کی طرف رجوع کروانے سے خدا کی پہچان انسان کی بتلائی ہے۔ قدیم مغربی عالم میں بعض لوگ توکثرت الہٰوں سے پرے نه کچھ سوچتے اورنه سکھلاتے تھے۔ اوربعض ایسے گذرے ہیں جنہوں نے ازلیت میں بھی عقل آزمائی کی ہے۔ چنانچه افلاطون کی تعلیم یہی تھی که عالم کے دواصول ہیں۔ دونوں خود ہست اور آزاد ہیں یعنی ماده اورخدا ۔ اورخدا نے بے ترتیب ماده کو ترتیب دی ۔سقراط اُن لوگوں کو بے وقوف اورپاگل کہتا ہے جواس سوال کوحل کرنے کی کوشش کرتے ہیں که آیا سب چیزیں پیدا ہوتی اورہلاک ہوجاتی ہیں اوریا ازلی ہیں اورہلاک نہیں ہوسکتی ہیں۔ اپی قورس بھی ماده کوازلی کہتا تھا۔ اوروہ ماده چھوٹے چھوٹے ذروں سے مرکب تھا جواس بے حد پلاڑمیں حرکت کرتے تھے۔ اورآخر باہم مل گئے اوریه خوبصورت عالم بنایا۔ اُس کا شاگرد لُوکری شش بھی دہریا تھا۔ (Dr Dick's Theology Lec.37) استوئقی فرقه جس کا بانی زینو تھا اور۲۸۰ قبل ازمسیح میں اس مدرسه کو جاری کیا۔ یه مدرسه وجود الہٰی کوایک آتشی ماہیت سابیان کرتا تھا اوریه اس لئے که وہ لوگ آگ کوسارے عناصر سے زیادہ زبردست اور افضل سمجھتے تھے۔ اورآگ کی اس الہٰی قدرت کو عالم کا انتظامی اصول مانتے تھے پھر اناک سی منیزجومسیح سے پیشتر ۵۰۴ میں مرگیا یه کہتا تھا که ہوا ہرایک مخلوق کا سبب ہے اوروہ خود ہست ہے اورکه سورج چاند اورستارے زمین سے بنائے گئے ۔پھر ہتالیز جومذکور فلاسفر سے پہلے گذرا یعنی

مسیح سے پیشتر ۵۴۸ میں مرگیا اوریونان کے ساتا داناؤں میں سے ایک تھا وہ پانی کو ہرچیز کا اصل سمجھتا تھا۔ ارسطو جوافلاطون کا شاگرد تھا اورمسیح سے پیشتر ۳۲۲ میں مرگیا خدا کی بابت یہ خیال رکھتا کہ خدا انسان کے کاموں سے بے سروکار اوراپنی ہی ہی سوچ میں مانند ہے۔ کوئی خالق نہیں ہے دنیا ازلی ہے پیدا کرنے کی قدرت خدا کو زیب ہی نہیں دیتی۔ اورادنیٰ کام ہے اورالہٰوں میں یہ قدرت نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی اخلاقی فلسفہ کتاب ۱۰باب ۸ (ترجمہ مور صاحب) میں لکھا ہے کہ صرف عقلی فضیلت الہٰوں کو منسوب ہوسکتی ہے کیونکہ کسی قسم کے حالات نہیں ہیں جن میں وہ اخلاقی خوبیوں کا استعمال کرسکیں۔ دوسرے اُن میں وہ اخلاقی قصورنہیں ہیں جواورلوگ گمان کرتے ہیں ۔ تیسرے اگر اخلاقی قوت اورقوی وجوہات کی رُو سے پیدا کرنے والی قوت خارج کی جائے تو صرف عقلی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ فلاسفروں کے خیال تھے۔ اب ایک دوقدیم شاعروں کوسخن بھی سننے کے قابل ہے۔ آرفی اس شاعر الہٰوں کا ہم عصر سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بابت لگ ٹانٹی اس لکھتا ہے کہ چونکہ وہ خدا کے مبدا اورماہیت کا خیال نہ کرسکا اُس نے کہا کہ وہ اس غیر محدود ہوا سے پیدا ہوا۔ ہے سی اڈشاعر کی بابت یہی مصنف لکھتا ہے کہ اُس نے ہمیں کچھ بیان نہیں بتلایا کیونکہ اُس نے خدا ئے خالق سے بیان شروع نہیں کیالیکن مادی عالم سے ہے سی اڈ کا قول یہ ہے کہ چیزوں کے شروع میں بے ڈول مادہ پیدا کیا گیا تھا۔ پیدا کرنے والے کا پتا نہیں (انٹی کرسچن نائی سین لابریری جلد ۲۱ کتاب اول باب ۵) تصنیفات لک نائنی اس)۔

وہ جن کے خیالات اس امر میں کچھ شستہ تھے اُن میں سے مشہور سسرو اورسنیکا ہیں۔ سسرو الہٰوں کی ماہیت کی بحث میں یوں کہتا ہے کہ خدا سے کوئی اورچیز اعلیٰ نہیں ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ دنیا اُسی سے حکومت کی جائے۔ پس وہ خودکل نیچر پر حکومت کرتا ہے۔ اورخدا جس طرح وہ ہم سے پہچانا جاتا ہے یعنی ایک آزاد اورلا حد عقل سوکسی اورطرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تمام فانی جسمیت سے علیحدٰہ اورسب چیزوں کو جانتا اورمتحرک کرتا ہے ۔ پھر سنیکا بے وقت موت کی بابت بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ" تم اپنے انصاف کرنے والے کی حکومت اور عظمت نہیں سمجھتے جودنیا کا حاکم اورآسمان کا اورسارے الہٰوں کا خدا ہے۔ جس

پراُن سب الہٰوں کا انحصار ہے جنہیں ہم جُدا جُدا پوجتے اور عزت دیتے ہیں"۔ معلوم ہوئے کہ سسرو مسیح سے پیشتر ۴۳ میں مارا گیا تھااورسنیکا ۶۵ ء میں مارا گیا تھا۔ یہ الہٰیات فلاسفروں ہی میں رائج ہوا کرتی تھی اوراُن کی مشوش طرز سے عوام کو کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا۔(Science of Religion Sect) میں لکھتے ہیں کہ زبان کی قدیم دفتروں کی تلاش کرتے ہوئے ہم نے معلوم کیاکہ سب سے اعلیٰ خدا نے ہندوستان، یونان، اٹلی اورجرمنی کی قدیم دیومالا میں وہی یاایک ہی نام پایا۔اُس کی پرستش خواہ کوہ ہمالہ پُرخواہ ڈوڈونا کے بلوطون ہیں۔ کاپی ٹول یا جرمنی کے جنگلوں میں ہوتی تھی۔ میں نے واضح کیاکہ اُس کا نام سنسکرت میں دیوس تھا۔یونانی میں زیوس، لاٹن جووس ، جرمن میں تیوتھا۔۔۔۔ یہ نام محض نام ہی نہیں ہیں۔ وہ تواریخی حقیقتیں ہیں۔ یہ الفاظ محض الفاظ ہی نہیں ہیں لیکن وہ جیسے کسی واقعہ کوجوہم نے کل ہی دیکھا ہو پوری روشنی کے ساتھ آریہ قوم کے اجداد کوہمارے سامنے لاتے ہیں جو شائد ہومر اوروید سے ہزاروں برس پہلے ایک نادیدہ وجود کی ایک ہی نام سے پرستش کرتے تھے یعنی روشنی اور فلک کے نام سے ۔ اورہم منہ نہ پھیریں اوریہ نہ کہیں کہ آخرکاریہ نیچرپرستی اوربُت پرستی تھی، نہیں اُس کی یہ غرض نہ تھی اگرچہ آئندہ وقتوں میں اُس تک ذلیل کی گئی ہو"۔

وہ آئندہ وقت جس میں وہ خدا پرستی ذلیل کی گئی اُس کی بابت مانیرولیمس صاحب یہ لکھتے ہیں کہ:آریہ خاندان کی ہندی شاخ جب سپتا سند ہو۔ یعنی سات دریاؤں کی زمین میں (جس کو اب پنجاب کہتے ہیں)مسکن پذیر ہوئی یعنی مسیح سے پہلے پندرھویں صدی میں تواُن کا مذہب ہنوز نیچر پرستی تھا۔ نیچر کی صورتیں بری چمکدار چیزیں یازبردست قوتیں ہی نہیں لیکن کچھ زیادہ بھی خیال کی جاتی تھیں عام عابدوں کے نزدیک وہ شخص مانی جاتی تھیں۔ اور شخصی صفات انہیں منسوب کی جاتی تھیں۔ وہ اُنہیں بادشاہ، باپ، محافظ، دوست، منعم، اورمہمان کرکے مخاطب کرتے تھے" ویدوں کے اصلی دیوتے تین ہیں، اگنی، اندر، اورسُریا، یاسوتری، تینوں عالموں یعنی زمین، ہوا اوراکاس کے لئے ایک ایک یہ تینوں دیوتے قدیم نوآباد انڈوآریہ لوگوں کے خاص معبود تھے باقی بڑے بڑے دیوتے ان ہی اورصورتیں تھے یاساتھی تھے ۔ چنانچہ ہوا(وایو)طوفان کے دیوتے (مارت)

اور رودر، پانی کے دیوتا اِندر کے قریبی ساتھی سمجھے جاتے تھے۔اوراس دیوتے کی اورصورتیں تھیں۔ دوسری طرف قدیم آریہ دیوتے ورن اورمِترا اوروشنو یہ سب سورج (سُریا) کی صورتیں تھیں"۔ اس کی چند ایک اوربھی صورتیں تھیں۔ اگنی کی کئی صنعتیں منسوب کی جاتی تھیں جوانسانی عالم کے ساتھ اس کی غرضمندی کی ظاہرکرتی تھیں۔ وہ زمینی خدا تھا اوراس لئے دیگر الہٰوں کی بہ نسبت زیادہ ترپہنچ کے قابل تھا۔ وہ پاک انجیر کے درخت ارنی کے دوٹکڑوں کی رگڑ سے ظاہر ہوجاتا تھا۔ اوراس لئے ہمیشہ نزدیک تھا۔ وہ ہرایک گھرمیں ظاہرا حاضر تھی" چند ایک اورباتوں کا بیان کرکے صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ" اندوآرین مذہب اپنے سے پہلے ایمان سے نکلا تھا اوروہ یہ تھا کہ انسان نیچر کی قوتوں کے مطیع ہے اوروہ اُنہیں راضی کرنے کا محتاج ہے۔ وہ مذہب ایک بے قیام انتظام تھا جوکبھی کل عالم کو ایک سبب اوّل کی طرف منسوب کرتا تھا۔ کبھی عالم کی صورتوں کوکئی ایک آزاد اسباب کی طرف منسوب کرتا اورکبھی کل موجودات کا ایک سرب بیاپی روح سے زندہ کیا جانا بتلاتا تھا۔ وہ ایسا ایمان تھاکہ عابد کی خصلت اوررغبت کے مطابق کبھی ایک خدا کبھی تین کبھی بہت خدا اورکبھی ہمہ اوست ہوجاتا تھا۔ لیکن وہ ہنوزبُت پرستی نہ تھا۔ اگرچہ یہ خیال پایا جاتا تھا کہ نیچر کی قوتیں الہٰی شخصوں کے زیرحکومت تھیں تاہم اُن شخصوں کی مورتیں نہ بنائی جاتی تھیں[1] اس حال میں کچھ تعجب نہیں کہ ویدوں کے مصنف عالم کی پیدائش اورخدائے خالق کی بابت شکیہ اورسوالی طرز سے لکھتے ہیں نہ کہ یقینی۔ چنانچہ۔

رگ وید منڈلہ دس منتر۲۷۔ میں مصنف براہمنس پتی دیوتوں کے باپ کا یوں بیان کرتا ہے۔

۱۔ آؤ ہم سرود کے گیتوں میں حمد کے ساتھ دیوتوں کی پیدائش بیان کریں۔ شائد ہم میں سے کوئی اس آخری زمانہ میں اُنہیں دیکھ سکے۔

۲۔ براہمنس پتی نے لہُار کی مانند اُن کی پیدائشوں کو پھونک نکالا۔ دیوتوں کے سب سے قدیم زمانہ میں ہست نیست سے نکلا۔

۳۔ دیوتوں کے پہلے زمانہ میں ہست نیست سے نکلا۔ بعد اُس کے اُتن پد سے لوک نکلے۔

[1] Religious Thought & Life in India Ch.1

ان دونوں آیات میں نیستی خالق ہے یا خالق نا معلوم ہے)۔

۴۔ زمین اُتن پد سے نکلی ۔ زمین سے لوک نکلے۔ دکشا آدتی سے اورآدتی دکشا سے نکلی۔

آم کی بابت لوگ ایک پہیلی کہا کرتے ہیں کہ باپ نے جنی بیٹی اوربیٹی نے جنا باپ۔ شائد یہ آیت ۴ بھی ایسی ہے ایک لفظی پہیلی ہے۔ کیونکہ بالکل بے سلسلہ اور بے معنی ہے۔

پھر رگ وید منڈلہ دس ، منتر۱۲۹ ۔ ایک یگانہ منتر ہے۔ اُس کے مصنف[1] نے عالم کی پیدائش کی بابت ایک بات سوچی اورپھر خود ہی ڈھادی ۔ ہو لہذا۔

۱۔ اُس وقت نہ نیستی تھی نہ ہستی۔ نہ فضا تھی نہ اوپر فلک تھا۔ کس نے سب کوڈھانپا ہوا تھا؟ کہاں کس چیز کے خانہ میں یہ تھا؟ کیا وہ اتھاپانی تھا؟

۲۔ اُس وقت نہ موت تھی نہ بقا۔ دن اوررات کا فرق نہ تھا۔وہ ایک آرام سے سانس لیتا تھا۔ آپ اپنے سہارے، کوئی چیزاُس سے جدایا اُس سے اوپر نہ تھی۔ (یہ ہمہ اوست کا بیج بویا ہے)۔

۳۔ ابتدا میں اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا؟ یہ سب کچھ غیرممکن التمیزپانی تھا۔ وہ ایک سنُسان پڑا تھا اورنیستی میں لپٹا ہوا تھا۔ اپنے شوق کی طاقت سے ظاہر کیا گیا۔(خدا نیستی میں لپٹا ہوا تھا!!)۔

۴۔ اُس میں پہلے خواہش اٹھی جوعقل کا ابتدائی انکواتھا۔ اورجس کوغیب دانوں نے اپنی عقل سے تلاش کرتے ہوئے اپنے دلوں میں وہ بندھن معلوم کیا جوہستی کونیستی کے ساتھ ملاتا ہے۔ (اس سے ویدوں کا ازلی اورالہامی ہونا ردہوتا ہے)۔

۵۔ کون جانتا ہے یہاں کون ہے جوبیان کرسکتا ہے کہ کہاں سے یہ خلقت نکلی؟دیوتے اس عالم کے نمود سے پیچھے ہیں۔ توکون جانتا ہے کہ یہ کہاں سے نکلی؟

[1] Muir's Sanskrit Texts, Vol.v.pp.48.49

۶۔ کس چیز سے یہ خلقت نکلی؟ اورآیا کسی نے اُسے بنایا یا نہیں بنایا؟وہ جو سب سے بلند آسمان میں اس کاحاکم ہے وہ ٹھیک جانتا ہویا شائد وہ بھی نہیں جانتا[1]۔

اس گیت کا مصنف خلقت کے آغاز اورخالق کی بابت شک میں تھا اوردونوں اُسے نامعلوم تھے کسی کاایک کا ذکر کیا ہے جس کو ایک نرگن مادہ کہا جائے یا خالق زندہ۔

قطع نظر اس سے بعض مصنفوں نے اپنی اپنی طبعیت کے موافق کسی نہ کسی چیز کو خالق معین کیا ہے چنانچہ رگوید منڈلہ ۹ کل سوما کی اُستت میں جوایک نشہ داربوٹی تھی اوراُس کا منشی رس دیوتوں کا چڑھاجاتا تھا اورپوجاری خود پیتے تھے۔ اُس کی بڑی تاثیر کے سبب سے وہ خود ہی ایک دیوتا مانا گیا۔ یہاں تک کہ اس منڈلہ کے بعض گیتوں میں اُس کو اعلیٰ خدا اورخالق کہا ہے۔

منڈلہ ۶ منتر ۷۲۔ آیت ۲ میں اِندر اورسوما دونوں آسمان اورزمین کے خالق کہے گئے ہیں۔

منڈلہ۲۔ منتر۴۰آیت میں سوما اورپوشن خالق مانے گئے ہیں۔

پھر کہیں پورُش اورکہیں وسواکرم(اگنی) کوخالق یامادہ خلقت کہا ہے۔ چنانچہ رگ وید منڈلہ ۱۰ منتر ۹۰ پُورش منتر ہے۔ (۱) پورش کے ایک ہزارسرایک ہزارآنکھیں اورایک ہزار پانوں میں ہر طرف زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔(۲) پورش خودیہ کل عالم ہے۔ جوکچھ ہوا ہے اورجوکچھ ہوئیگا۔وہ بقا کا بھی خداوند ہے(۳) ساری موجودہ چیزیں اُس کی چوتھائی ہیں ۔ اوراُس کی تین چوتھائیاں وہ ہے جو فلک میں غیر فانی ہے وغیرہ۔ (یہ پیمائش توخوب پوری جمائی ہے!)۔

مخفی نہ رہے کہ وید کے ایسے بیان ویدانت مت اور سانکھ مت کی بنا ہیں جواس عالم کی بابت دومختلف خیال کے قدیم فرقے ہیں۔ سانکھیا مت والے آتما اورمادہ دونو کوازلی مانتے ہیں اورویدانت والے ایک ازلی آتماں کہتے ہیں اوریہ بیرونی عالم اس مایا کا نتیجہ ہے جوآتمہ پر چھائی تھی۔

---

[1] کیا یہی وید میں مبن کو ہندولوگ اورغیر مخلوق کہا کرتے ہیں جن کوازلیت کی کچھ خبرنہیں اورجن کے مصنف خود اقبالی ہیں اپنی ناواقفی کے۔ جن کو خالق کا پتا نہیں وہ اُس کی مرضی کو کیا جان سکتے تھے۔ Muir’s Sanskrit Texts Vol.v.pp.356.359 ترجمہ از

یعنی انسان کی روح کی اورمادی عالم کی جو جُدا ہستی معلوم ہوتی ہے یہ صرف دھوکا ہے۔ اصل میں یہ سب وہی آتما ہے Religious Thoughts & Life in India ch.2

اس ویدمذہب کے رشتہ داربودھ مذہب کی بابت سرما نیرولیمس صاحب لکھتے ہیں[1] کہ" بدھ ازم میں نہ کوئی خالق ہے نہ خلقت ،سب چیزوں کا کوئی اصلی انکوانہیں ہے۔ نہ عالم کی کوئی روح ہے۔ نہ کوئی شخصی نہ غیر شخصی ، نہ عالم سے اعلیٰ اورنہ کوئی ازلی اصول ہے" نہ صرف آتما کی ازلی ہستی سے انکارہے بلکہ مادہ کی ازلی ہستی سے بھی۔ یہ عالم جوہمارے آس پاس ہے ایک ہستی ہے جونیستی سے نکلی اورجب اس کا وقت پورا ہوجائیگا تونیستی میں پھر جائیگی۔ وہ نیستی سے نکلا اورضرورہے کہ نیستی میں پھر جائے۔تاکہ پھر ظاہر ہو"۔ اُس سوال کی بابت کہ کس سے یا کہاں سے یا کس طرح پہلی اصلی طاقت آئی جس نے پہلی حرکت کو جاری کیا بدھا نے کوئی رائے نہ دی۔ اُس نے اس کو ایک ناقابل بیان بھید کہا ایک لاحل مُعما۔ اُسنے اپنے تئیں بالکل ناواقف بتلایا۔ اُس نے اسباب اورنتیجوں کے بیشماروں کے سوا

[1] Buddhism Lecture 5.pp.117, 120

اورکچھ نہ دیکھا اورکبھی پہلے سبب کی تشریح کرنے کی کوشش نہ کی۔ پس بلاگھرے مطلب کے گوتم نے اگیان (Ignorance) کو سلسلہ اسباب میں سب سے پہلے نہ رکھا تھا"۔

" مگربدھ مت کے یہ خیالات برہمن مت کے مطابق ٹھہرتے ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ خالص ویدانت عالم کے اخراج کوایک ازلی دھوکا (Illusion or Ignorance) یا اگیان سے بتلاتی ہے جوبے شخص آتما برہمن کے ساتھ ملی اورجس میں وہ (عالم) پھر جذب ہوجاتاہے۔ رگ وید منڈلہ، ۱۰گیت ۲۹ کا مصنف کیا کہتاہے۔

" اُس وقت نہ نیستی تھی نہ ہستی نہ فضا تھی نہ اوپر فلک تھا۔

" ابتدا میں اندھیرا تھا، اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا یہ سب کچھ بے امتیازپانی تھا۔

" وہ ایک سنسان پڑا تھا اورنیستی میں لپٹا ہوا تھا۔

پس اے ہندوستان کے باشندو! جس طرح پولوس رسول نے یونان کے باشندوں کو کہا تھا میں تمہیں کہتاہوں کہ جس نامعلوم خدا کو" تم بے معلوم کئے پوجتے ہو میں تم کو اُسی کی خبردیتاہوں" (اعمال ۱۷: ۲۳)۔

پہلا باب

کلامِ الہٰی کا بیان ہے کہ خدا ازل سے ہے اوروہی کل عالم کا بانی ہے۔

پہلی فصل

خدا کی ازلیت کے بیان میں

جبکہ خلقت کی چیزوں سے انسان صاف فیصلہ نہ کرسکا کہ ایک ازلی ہے یا دو توکلام الہٰی اس بات پر صاف فیصلہ دیتا ہے کہ صرف ایک ہی ازلی ہے یعنی خدا اورعالم کو اُس نے پیدا کیا۔ چنانچہ کلام الہٰی کے لکھنے والوں کو جب خدا نےالہام سے اپنا پتادیا توصاف صاف اور بلا گنجائش شک کے پتادیا اوروہ یوں لکھتے ہیں۔

زبور۹۰: ۲۔ پیشتراس سے کہ پہاڑپیدا ہوئے اورزمین اوردنیا کوتونے بنایا ازل سے ابد تک توہی خدا ہے۔

زبور۹۳: ۲۔ تیرا تخت قدیم سے مستحکم ہے۔ تو توازل سے ہے۔

دوسری فصل

خدا ہی خالق ہے اورکوئی نہیں

پیدائش ۱: ۱ ابتدا میں خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔

زبور۱۴۸: ۵، ۶ ۔ اُس نے حکم دیا اوروہ موجود ہوگئے۔ اُس نے اُن کو ابدی پائداری بخشی۔ اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جوٹل نہیں سکتی۔ (اس لئے نبی فرشتوں اورآسمانوں اورسورج چاند اورستاروں کو مخاطب کرتا ہے کہ وہ سب اپنے خالق کی ستائش کریں۔ ہمہ اوست اوردھریائی خیال بائبل کی پہلی آیت سے رد ہو جاتا ہے۔

اعمال ۱۴: ۱۵۔ ہم تمہیں انجیل سناتے ہیں تاکہ ان بطالوں سے کنارہ کرکے زندہ خدا کی طرف پھرو جس نے آسمان اورزمین اورسمندراورجوکچھ اُن میں ہے پیدا کیا۔

یادرکھنا چاہیے کہ بائبل لکھنے والوں نے خدا کو خدا اور خالق بیان کیا نہ کہ کبھی فلک کویاکبھی سورج کویا کبھی آگ یاہوا یا پانی کو خدائے خالق کہا ہے جیسا ہم نے ویدوں کے مصنفوں کی بابت معلوم کیا۔ برعکس اسکے ان چیزوں کوخدا کی کاریگری اوراس کا جلال ظاہر کرنے والے کہا گیا ہے۔ جیسا ہم

۱۹زبور میں پڑھتے ہیں ۔ کہ " افلاک خدا کا جلال بیان کرتے ہیں اور فضا اُس کی دست کاری دکھلاتی ہے وغیرہ۔ اوریہ سچ ہے کہ یہ چیزیں جس حکمت اورشان کے ساتھ بنی ہیں اپنے خالق کی حکمت کو ظاہر کرتی ہیں۔ بائبل میں شروع سے آخر تک کہیں کسی مخلوق چیز کو خالق نہیں کہا ہے۔ان کے فائدے بیشک بیان ہوئے ۔ مگر ان فائدوں کی وجہ سے کسی کو خدا یا خالق مالک کل عالم کا نہیں کہا ہے۔

تیسری فصل

کوئی ازلی مادہ نہ تھا جس سے عالم بنایا گیا

کلامِ الہٰی میں صرف ایک ہی ازلی بیان کیا گیا ہے یعنی خدا۔ اورسب چیزیں خلق کی گئی تھیں۔ کوئی ازلی مادہ نہ تھا ازل میں صرف خدا ہی تھا۔ اورزندہ تھا نہ کہ نیستی میں لپٹا ہوا تھا۔

زبور ۳۳: ۶، ۹ خداوند کے کلام سے آسمان بنے اوراُن کے سارے لشکر اُسکے منہ کے دم سے۔

نامہ عبرانیوں ۱۱: ۳۔ ایمان ہی کے سبب سے ہم جان گئے کہ عالم خدا کے کلام سے بن گئے۔ ایساکہ وہ چیزیں جو دیکھنے میں آتیں ان چیزوں سے نہیں بنیں جو دیکھی جاتیں۔

جب سائنس آغاز عالم کے اسباب تلاش کرتے کرتے روشنی تک آیا تو نہ بتلاسکا کہ روشنی کیونکر آئی اور کہاں سے آئی۔ تب الہام کے ذریعہ سے انسان کو یہ یقین دلایا گیاکہ " عالم خدا کے کلام سے بن گئے" خدا نے کہا کہ روشنی ہوئی اورروشنی ہوگئی "۔ پیدائش ۱: ۳۔ اس سے ہم معلوم کرتے کہ ازلی ہستی زمانی ہستی کا موجب ہے"۔ اُس نے حکم دیا اوریہ موجود ہوگئے" اوردنیا کی حکمت کے مشوش خیالات اس سے کیسے کٹ جاتے ہیں۔

دوسرا باب

کلامِ الہٰی خُدا کوایک عاقل اوردانا وجود بتلاتا ہے
جس نے دُوراندیشی سے ہر چیز کوایسی حکمت سے
بنایا ہے کہ خالص مطلب اُن سے ادا ہورہے ہیں

اعمال ۱۵: ۱۸۔ خُدا کو دنیا کے شروع سے اپنے سب کام معلوم ہیں۔ یسعیاہ ۴۶: ۹، ۱۰ ۔ میں خدا ہوں اورمجھ سا کوئی نہیں ۔ جو ابتدا سے انتہا تک کا احوال اورقدیم وقتوں کی باتیں جواب تک پوری نہیں ہوئیں بتاتا ہوں۔ اورجو کہتا ہوں میری مصلحت قائم رہیگی اورمیں اپنی ساری مرضی کوپورا کرونگا۔

پھر خدا نے جس طرح چاہا ہر چیز کو پیدا کیا۔ زبور ۱۳۵: ۶، ۷ جوکچھ خداوند نے چاہا اُس نے آسمان اور زمین اور دریاؤں اورسارے گھراؤں میں کیا۔ بخارات زمین کی اطراف سے وہی اٹھاتا ہے۔ اوربجلی مینہہ کے ساتھ بناتا ہے اورہوا کو اپنے مخزنوں سے نکال لاتا ہے۔ ایوب ۳۵: ۱۱۔ جومیدان کے چرندوں سے ہم کو زیادہ سکھلاتا ہے اورآسمان کے پرندوں سے ہمیں زیادہ دانشمند کرتا ہے ۱کرنتھیوں ۱۵: ۳۸۔ پر خدا اُس کو جیسا اُس نے چاہا ایک جسم دیتا ہے اورہر ایک بیج کو اُس کا خاص جسم۔

اس بیان سے یہ بھید بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ جس حال میں نیچر کے مادہ کے ترکیبی اجزا،اگ ، ہوا ، پانی ، مٹی سب چیزوں میں گویا مشترک ہیں توکیا سبب ہے کہ ان سے جُدا جُدا قسم کی چیزیں بنی ہیں؟ کہیں مٹی ہے کہیں پانی، آبی جاندار ہیں اور ہوا کے پرندے ہیں، کہیں چارپائے کہیں انسان ہیں۔ مختلف جسم اورمختلف طبیعتیں ہیں حیوانی عقل ہے اورانسانی عقل ہے۔ اس رنگارنگی کا سبب الہٰام الہٰی کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسا آیات منقولہ میں پایا جاتا ہے کہ خالق نے جس طرح چاہا ہرچیز کو بنایا۔ ورنہ نیچر میں اس سبب کا پتا نہیں ملتا ہے۔ فرق بے شک ظاہر ہے۔

پھر عالم کی ایسی حکمت آمیز بناوٹ اس دوراندیشی اورمرضی کے آزاد خالق کی دانائی کا نتیج ہے۔ بائبل کی حکمت کا یوں بیان کرتی ہے۔

یسعیاہ ۴۵باب ۱۸آیت۔ کیونکہ خداوند جس نے آسمان پیدا کئے وہی خدا ہے۔ اُسی نے زمین بنائی اورتیار کی اُس نے اُسے قائم کیا اُس نے اسے عبث پیدا نہیں کیا بلکہ اُسے

آبادی کے لئے آراستہ کیا۔ وہ یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند ہوں اور میرے سوا اورکوئی نہیں۔ اعمال ۱۷: ۲۴، ۲۷۔ خدا جس نے دنیا اورسب کچھ جواُس میں ہے پیدا کیا۔ جس حال کہ وہ آسمان اورزمین کا مالک ہے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہیکلوں میں نہیں رہتا۔۔۔۔ وہ آپ سب کو زندگی اورسانس اورسب کچھ بخشتا ہے۔ ایک ہی لہو سے آدمیوں کی سب قومیں تمام زمین کی سطح پر بسنے کے لئے پیدا کیں اورمقرروقتوں اوراُن کی سکونت کی حدوں کو ٹھہرایا پھر دیکھو یرمیاہ ۱۰: ۱۰، ۱۲، خداوند سچا خدا ہے وہ زندہ خدا ہے اورابدی بادشاہ ہے۔ اُسی نے اپنی قدرت سے دنیا کو بنایا اُسی نے اپنی حکمت سے جہان کو قائم کیا ہے اوراپنی عقلمندی سے آسمانوں کو پھیلا ہے۔امثال ۳: ۱۹، ۲۰۔ خداوند نے دانائی سے زمین کی بنیاد ڈالی اور عقلمندی سے آسمان آراستہ کیا۔ اُس کی دانش سے گہرائیاں پھوٹ نکلی اورآسمان سے اوس کی بوندیں ٹپکیں۔

زبور۱۳۹: ۱۴، ۱۵، ۱۶۔ میں تیری ستائش ہی کرتا رہونگا کیونکہ میں دہشت ناک طور سے عجیب وغریب بنا ہوں۔ تیرے کام حیرت افزا ہیں۔ اس کا میرے جی کو بڑا یقین ہے جب کہ میں پردہ میں بنایا جاتا تھا اورزمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا تومیرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی ۔ تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادہ کودیکھا اورتیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں۔ اوراُن کے دنوں کا حال بھی کہ کب بنینگی جب ہنوزاُن میں سے کوئی نہ تھی۔

اس کے ساتھ پیدائش کی کتاب کا پہلا باب اور۱۰۴ زبور غور سے پڑھنا چاہیے جن میں عالم کی چیزوں میں باہمی نسبت اورجانداروں اورعناصر کی نسبت ویسی ہی بیان کی گئی ہے جیسی پہلے حصہ کے دوسرے باب میں بیان ہوئی اورجیسا ہم روزمرہ نیچر کی واقعی حالت میں دیکھتے ہیں ۔ غرضکہ جس نسبت اورحکمت کونیچر کے انتظام میں دیکھا جاتا ہے بائبل خدا کواس کا بانی قراردیتی ہے۔ اورجس بات کی نیچر اپنی زبان حال سے اشارے کرتی تھی اُس کوالہام نے زبان قال سے صاف بتلادیاکہ وہ جس نے یہ حکمت اورنسبت عالم کی ترتیب میں رکھی ہے وہ خدا ہے۔ اورازخود ہی ایسا انتظام قائم نہیں ہوگیا۔

تیسرا باب

کلامِ الہٰی خدا کی وہ صفات ظاہر کرتا ہے جو نیچر کے ذریعہ معلوم نہیں ہوسکتی ہیں۔

دہریا کا یہ سوال کہ خدا کیا ہے اُس کا رنگ روپ کیا ہے ہمیں دکھاؤ کلامِ الہٰی پورا کرتا ہے ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ خدا کا محسوس نہ ہونا اُس کی عدم ہستی کی دلیل کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر پیلی صاحب اپنی کتاب نیچرل تھیالوجی میں اس امر کی بابت عقلی طرزپریوں جواب دیتے ہیں کہ " نیچر کی قوتیں ہم کو صرف اُن کے نتیجوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ماہیتیں جواُنہیں پیدا کرتی ہیں ہمارے حواس سے ویسی ہی پوشیدہ ہیں جیسے ماہیت الہٰی ہو۔ کشش جواگرچہ ہمیشہ حاضر ہے۔ اوراگرچہ ہمیشہ اپنی تاثیر کرتی ہے۔اگرچہ ہمارے چاروں طرف ہر کہیں ہے اورہمارے نزدیک اورہمارے اندرہے۔ اگرچہ سارے پلاڑمیں پھیلی ہوئی ہے اور سب وجودوں میں جن سے ہم واقف ہیں داخل ہوجاتی ہے۔ خواہ کسی رقیق چیز پر یا کسی اورچیز یا فعل پر منحصر ہے توبھی محسوس نہیں ہوتی۔ توکیا تعجب ہے کہ اسی طرح ذات الہٰی بھی ہو"۔ باب ۲۳ اب جوجواب اس بات کا بائبل دیتی ہے اُس سے اس قسم کے انسانی خیالات کہ وہ ایک سنسان نیستی ہے۔ یا وہ مادہ ہے جس سے یہ عالم نکلا سب رد ہوتے ہیں۔

انجیل یوحنا ۱: ۱۸" خدا کو کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جوباپ کی گود میں ہے اُسی نے بتلادیا ہے" اُس بیٹا نے کیا بتلایا تھا؟دیکھو انجیل یوحنا ۴: ۲۴ خدا روح ہے اوراُس کے پرستاروں پر فرض ہے کہ روح وراستی سے پرستش کریں"۔ اس سے اس بات کا فیصلہ ہوگیاکہ خدا مادنی نہیں ہے۔ اورازاں موجب مادہ والی صفتیں اُس میں نہیں ہیں۔ یعنی طول عرض ، زوال، تبدیلی، اورجسمیت جو مادہ کا خاصہ ہیں وہ خدا میں نہیں ہیں۔ ان خاصیتوں کی وجہ سے مادہ محسوس ہوتاہے اورخدا روح ہونے کی وجہ سے غیر محسوس ہے۔ اوراس لئے اورمقاموں میں خدا کی یہ تعریف کی گئی ہے۔"بقا فقط اُسی کو ہے وہ اُس نورمیں رہتا ہے جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اوراُسے کسی انسان نہ دیکھا اورنہ دیکھ سکتا ہے۔ اُسی کی عزت اورقدرت ابدی رہے"آمین۔ ۱ تمطاؤس ۶: ۱۶" اب ازلی بادشاہ غیرفانی ، نادیدنی، واحد ،حکیم

خدا کی عزت اورجلال ابدآلاباد ہوئے۔آمین۔(۱تمطاؤس ۱: ۱۷۔ اسی لئے اُس کو بے مانند کہا گیا ہے"۔ تم مجھے کس سے تشبیہ دوگے اورمجھے کس کی مانند کہوگے اورمجھے کس سے ملاؤ گے تاکہ ہم یکساں ٹھہریں"(یسعیاہ ۴۶: ۵)۔ روح کو جسم اورہڈی نہیں"(لوقا ۲۴: ۳۹)۔

خدا کے روح ہونے کی وجہ سے ایک اوربات خداکی بابت معلوم ہوتی ہے کہ" خداوند سچا خدا ہے وہ زندہ خدا ہے"(یرمیاہ ۱۰: ۱۰۔ زندگی روح کی خصوصیت ہے اور مادہ بیجان ہے۔ جب جسم زندہ معلوم ہوتا ہے تووہ اُس زندہ چیز کے سبب سے ہے جواُس میں ہوتی ہے اس کے جُدا ہوجانے سے جسم پھر مرُدہ ہوجاتاہے۔ اورعقل اس بات کوتسلیم کرسکتی ہے کہ جب نتیجہ میں زندگی ہے تواُس کے سبب میں بھی زندگی ہوگی"۔ اورکلام الہٰی تواس بات کی بابت صاف کہتاہے کہ" وہ توآپ سب کوزندگی اورسانس اورسب کچھ بخشتاہے۔اُسی سے ہم جیتے اورچلتے پھرتے اور موجود ہیں۔اعمال ۱۷: ۲۵، ۲۸۔ ایک اورصفت روح کی سوچ یا چیتن تائی ہے"اُس کا فہم بیان سے باہر ہے"(زبور۱۴۷: ۵)۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ کلام الہٰی اس عالم کے خالق کوایک شخص بتلاتا ہے جومادہ سے الگ ہے۔ یعنی ایک سرگن روح جونادیدنی اورزندہ اورچیتن ہے۔ جس نے بے جان اورجاندار اورچیتن چیزیں بنائی ہیں۔اگریہ عالم ہے خدا ہوتا جیسا ویدانتی اوردیگرہمہ اوست اوردہریا کہتے ہیں تووہ دنیا کا خیال نہ ہوتا۔یعنی اپنی شخصیت نہ ہوتی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم گھوڑا یا کبوتر نہیں ہیں۔میں جانتاہوں کہ میں تو یا وہ شخص نہیں ہوں۔ اوریہ دھوکا نہیں ہے بلکہ ہم فی واقعی ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ اگریہ سب دھوکا ہوتا تویہ کسی طرح تمیزنہیں ہوسکتا کہ یہ دھوکا ہے۔ جیسے اگرعالم میں بصارت نہ ہوتی تواندھے پن کا خیال نہیں ہوسکتا تھا اسی طرح اگردنیا کا خیال دھوکا ہوتا تو دُوتیا کا خیال ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ یعنی اس دھُوکے کہ ہم دھوکا کہہ نہ سکتے۔ مگرمعاملہ دگرگوں ہے یعنی دوتیا ہے اس لئے دوتیا کا خیال ہے۔ اوردوتیا کودھوکا کہنا ہم جان سکتے ہیں کہ جھوٹ ہے۔ سواگر خدا جُدا شخصیت نہیں ہے تومخلوق میں یا خدا کے مایا والے بیوہار میں شخصیت کسی طرح آگئی ۔ کیا یہ مخلوق یا بیوہار اصل سے بڑھ گیا اورکیا اُس میں وہ خوبی آسکتی تھی جو کہ اصل

ذات میں تھی ہی نہیں؟ پھریہ کہاں سے آئی؟ خدا نے خالق کی طرف سے آئی جوخودزندہ اورچیتن ہے۔ جیسا کلامِ الہٰی فرماتا ہے۔

غرضکہ جوبیان کلامِ الہٰی خدا بابت بتلاتا ہے اُس کی روح سے خدا کا غیر محسوس ہونا اُس کی عدم ہستی کی دلیل نہیں ہوسکتا بلکہ اُس کا محسوس ہونا اُس کی ذات کے لئے کسرِ شان ہے۔ کیونکہ جیسا وہ خدا کوظاہر کرتا ہے اُس کو ہم اپنے حواس سے حس نہیں کرسکتے اوراس لئے اُس پر ایمان سے نظر کرنے کی ہدایت کرتا ہے یعنی جس طرح خدا نے اپنے تئیں کلامِ الہٰی میں ظاہر کیا ہے ہم ایمان لائیں کہ خدا ہے اورزندہ اور عاقل روح ہے کیونکہ ایسی حالت میں جب ہمارے حواس کا نہ دیں تو" ایمان اندیکھی چیزوں کا ثبوت ہے" عبرانیوں ۱۱: ۱۔ اوریہ بھی خیال رہے کہ علی الحساب خدا کو ایسا نہیں بتلاتا ہے بلکہ عالم کی مصنوعات سے دکھاتا ہے کہ بغیر ایسے سبب کے جیسا وہ بتلاتا ہے یہی عالمی نتیجہ ظہور نہیں پاسکتا۔

ایک اورخاص بات جوکلامِ الہٰی خداکی بابت بتلاتا ہے یہ ہے کہ خدا پاک ہے۔ اوریہ خدا کی اخلاقی صفت ہے دنیا میں اخلاقی شرع اورازاں موجب مذہب کا یہی باعث ہے " جس طرح تمہارا بُلانے والا پاک ہے تم بھی اپنی سب چال میں پاک بنو کیونکہ لکھا ہے کہ تم پاک بنو میں پاک ہوں" ۱پطرس ۱: ۱۵، ۱۶۔

۱۔خدا کوپاک کہنے سے یہ مراد ہے کہ اُس کی ذات میں کسی طرح کا عیب نہیں ہے۔ اُس کی راستی اورنیکی اورسچائی کامل ہیں اوروہ گناہ سے میل نہیں رکھ سکتا۔ جیسے لکھا ہے کہ خدا نور ہے اوراُس میں تاریکی ذرہ بھی نہیں۔ ۱یوحنا ۱: ۵۔ تیری آنکھیں ایسی پاک ہیں کہ توبدی کودیکھ نہیں سکتا وغیرہ حبقوق ۱: ۱۲۔ خدا اپنی ساری صفتوں میں پاک ہے۔ کسی میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اوریوں ہم معلوم کرتے ہیں کہ خدا کی کل اخلاقی صفات کے لئے پاکیزگی ایک اور لفظ ہے۔ خدا کوپاک کہنا اُس کی باقی صفتوں کو مان لینا ہے۔

۲۔ خدا پاک ہے اسی لئے اُس نے راستی کی شرع قائم کی۔ جیسے لکھا ہے ۔ خدا وند کی شریعتیں سیدھی ہیں کہ دل کی خوشی بخشتی ہیں۔ خداوند کا حکم صاف ہے کہ آنکھوں کی روشن کرتا ہے۔ خداوند کا خوف پاک ہے کہ اس کو ابد تک پائداری ہے۔ خداوند کی عدالتیں سچی اورتمام وکمال سیدھی

ہیں۔ زبور۱۸۹: ۸، ۹ ۔ پس شریعت توپاک ہے اورحکم پاک اور حق اورخوب ہے۔ رومیوں ۷: ۱۲۔

۳۔ جائے غور ہے کہ جب شریر اورگمراہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ خدانہیں ہے یا کہ عالم سے بے سروکاریا نُرگن ہے تویہ صرف اپنی شرارتوں میں آزاد ہونے یا ناواقفی کے سبب ایسا گمان دل میں جمایا جاتا ہے۔ان باتوں کے دفعیہ کے لئے خداوند اپنے کلام میں نہ صرف یہ بتلاتا ہے کہ میں وہ ہوں جو میں ہوں بلکہ یہ بھی کہ" تم پاک ہو کہ میں خداوند تمہارا خدا قدوس ہوں"(خروج ۳: ۱۵۔ احبار۱۹: ۲) ذاتِ الہٰی کے اس اظہار سے اورصرف اسی اظہار سے دنیا پرظاہر ہوتا ہے کہ گناہ کیسی بُری اورنفرتی چیز ہے۔ خدا اُس کودیکھ نہیں سکتا اور اس لئےضرور ہے کہ انسان بھی پاک بنے اور گناہ سے نفرت کرے۔ کیونکہ وہی جوپاک دل ہیں خدا کودیکھینگے"۔

ایک اورخاص بات جوکلامِ الہٰی کی بابت بتلاتا ہے یہ ہے کہ خدا محبت ہے(۱یوحنا ۴: ۸) اورکہ وہ آسمانی باپ ہے(متی ۶: ۹) اس اظہار سے کلامِ الہٰی بتلاتا ہے کہ خدا انسان کے کاموں سے بے سروکارنہیں ہے بلکہ ایک پرُمحبت باپ کی طرح سلوک کرتا ہے۔ وہ صرف اس معنی میں باپ نہیں ہے کہ اُس سے " ساری چیزیں ہوئیں" (۱کرنتھیوں۸: ۶) بلکہ اس لئے باپ ہے کہ وہ محبت ہے" دیکھو کیسی محبت باپ نے ہم سے کی کہ ہم خدا کے فرزند کہلائیں"(۱یوحنا ۳: ۱)۔ کلامِ الہٰی کی یہ تعلیم کیسی امید اورتسلی سے بھری ہے۔ اوراس محبت کا خاص ظہوروہ ہے جس کا ہم تیسرے مقصد میں ذکر کرچکے ہیں۔

یادرہے کہ قدیم یونانی اوررومی جوپیٹر کو باپ کہتے تھے۔ لیکن اُن کا یہ مطلب نہ تھاکہ وہ حقیقت میں دیوتوں اورانسانوں کا باپ تھا کیونکہ وہ مانتے تھے کہ آدم زاد اس سے پہلے موجود تھے۔ اورعلاوہ اس کے وہ اپالو اورنیپٹون اورباکس اورپلوٹو کو بھی پاٹیر(باپ) کہتے تھے۔اورمیزوا، ڈائنا اورویسٹا کوماں کہتے تھے ۔ جیساآج کل ہندواپنے دیوتوں اوردیویوں کو ماتا اورپتا کہتے ہیں۔ اسی طرح قدیم آریہ ویدوں کے زمانہ کے اپنے دیوتوں کو پتر کہتے تھے۔ لیکن یہ خطاب دیوتوں کواعلیٰ اختیاراوردرجہ منسوب کرنے کی غرض سے دیا جاتا تھا۔ شاعر لوگ اُن کو جن کی عزت کیا چاہتے باپ کہتے تھے۔ غلام اورنوکر اپنے آقاؤں اور مربیوں کوباپ کہتے تھے۔ جیسا آج کل بھی رواج ہے۔ لیکن کوئی اُن شخصوں کوحقیقت میں باپ نہیں

سمجھتا ہے۔ ویدوں میں رشی اپنے دیوتے یادیوتوں کو پتر کہتے تھے صرف اس لئے کہ دیوتے اوراُس کے پوجاریی میں ایسا تعلق ظاہر کرے۔ اوراُس کی دُعا کا جواب یوں دے جیسا باپ بیٹے کی عرض سنتا ہے۔ جیسا رگوید منڈلہ ۵۱، منتر ۸۳ آیت ۶ سے ظاہر ہے۔ یعنی" اے ماروت(یہ طوفان کے دیوتے ہیں) ہمیں آسمان کی بارش دیو،،،اورپانی انڈیلتے ہوئے اپنی گرج کے ساتھ یہاں آؤ، کیونکہ تو(آئے پرچنا)زندہ دیوتا ہے توہمارا باپ ہے" پھر رگوید کا پہلا گیت ۹آیت یوں ہے"اے اگنی ہماری پہنچ کے لئے آسمان ہوجا جیسا باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتاہے ۔ ہماری بھلائی کے لئے ہمیشہ ہمارے ساتھ ہو"حقیقت میں وہ اصلی باپ ان دیوتوں کی آڑ میں نامعلوم ہے۔

مگر کلامِ الہٰی میں خدا اورانسان میں اصلی رشتہ ظاہر کیا گیا ہے اوراُس رشتہ کی وجہ سے انسان کوچاہیے کہ خدا کی طرف پھرے اوراُس کی مرضی کے موافق عمل کرے اورنہ اس طرح سے کہ جس طرح ایک نوکر اورآقا میں ایک اتفاقیہ تعلق ہوجاتا ہے اورنوکر آقا کو اُسکی پرورش وغیرہ کے لحاظ سے مائی باپ کہتا ہے۔ بلکہ خدا کوحقیقت میں باپ بتلایا ہے اور وہ دوطرح سے (۱۔) کیا ہم سبھوں کا ایک ہی باپ نہیں؟ کیا ایک ہی خدا نے ہم سبھوں کو پیدا نہ کیا۔ملاکی ۲: ۱۰۔ لیکن ہمارا ایک خدا ہے جوباپ ہے۔ ۱کرنتھیوں ۸: ۶ پس تم اسی طرح دعا مانگو کہ اے ہمارے باپ جوآسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو متی ۶: ۹۔ پس خدا کی نسل ہوکے ہمیں مناسب نہیں کہ یہ خیال کریں کہ خدا نے سونے روپے یاپتھر کی مانند ہے وغیرہ اعمال ۱۷: ۲۹۔ (۲) دوسرا نیا بیان خدا کی پدریت کا جوکلامِ الہٰی نے ظاہر کیایہ ہے کہ خدا توباپ ہے مگر انسان اُس کا فرزند ہونے سے منحرف تھا۔ سو خدا باپ نے اپنی محبت کے سبب انسان کوپھر بیٹا بنانے کا بندوبست کیا ہے۔ رومیوں ۸: ۱۵۔ تم نے غلامی کی روح نہیں پائی کہ پھر ڈرو۔ بلکہ لےپلک ہونے کی روح پائی جس سے ہم ابا یعنی اے باپ پکارپکار کہتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ کلامِ الہٰی خدا اورانسان میں باپ اوربیٹے کا رشتہ قائم کرتا ہے اورباپ کی محبت کوآشکارا کرکے (دیکھو یوحنا ۳: ۱۶) انسان سے فرزندانہ محبت طلب کرتا ہے۔(۱یوحنا ۴: ۱۹)۔

خدا کی بابت یہ نئے راز ہیں جوکلامِ الہٰی نے ظاہر کئے ہیں اورخدا کی بابت ایک نیا خیال دنیا کو دلوایا ہے۔ اب جیسا

معبود ویسا ہی عابد ہوتا ہے توکلامِ الہٰی نے جوبیان خدا کی بابت بتلایا ہے اس سے ہم جان سکتے ہیں کہ ایسے خدا کے پہچاننے سے عابد کوکیسے عملی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ منکر خدا اور دہریا جب کل روحانی زندگی کوعالم میں سے خارج کرے تویہ کلامِ الہٰی ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے کہ خدا روح ہے اورروح وراستی سے اُس کی پرستش کرنی چاہیے۔ خدا باپ ہے اوراُس کی پدرانہ محبت انسان پربڑی ہے اس لئے انسان کو بھی فرزندانہ محبت ادا کرنی چاہیے۔ خدا زندہ خدا ہے اورانسان کو زندگی بخشنے والا ہے اوروہ مُردہ بُت پرستی کوباطل ٹھہراتا ہے۔ خدا پاک ہے اوربدی سے اُس کی ذاتی نفرت ہے اُس کے عابد بھی ایسے ہی ہونگے۔ اورپھر اگرویدوں والے خداؤں کی پرستش کی جائے تو عابدوں کی زندگی صرف گوالوں والی زندگی ہوگی جودودھ دہی اورسبزی اورمویشی کی خاطر نیچر کی چیزوں اورقوتوں کی پرستش کرتے تھے غرضکہ روحانی اورنیک زندگی صرف ایسے معبود کی پہچان سے حاصل ہوسکتی ہے جیساکہ کلامِ الہٰی بیان کرتا ہے نہ کہ اتفاق یا نیستی یا اگنی واند کی پہچان سے ہوسکتی ہے۔

چوتھا باب

انسان حکمت سے ایسا اعلیٰ بنا ہے اوراُس کی ایسی بناوٹ کی غرض

گذشتہ بابوں میں ہم نے معلوم کیاکہ کلامِ الہٰی کی رو سے اس عالم کا ازلی بانی خدا ہے اور کہ اُس میں کاریگر کی حکمت ہر چیز میں ثابت ہے۔ اس باب میں ہم انسان کی بابت ذکر پیش کرتے ہیں۔اورکلامِ الہٰی سے یہ بات اوربھی واضح طور سے ظاہر ہوگی کہ انسان اشرف المخلوقات بنا ہے۔ اورکیوں ایسا بنایا گیا اتفاق سے ایسا نہیں بنا تھا کہ ہم کبھی اتفاق سے ایسا بنتے نہیں دیکھتے ہیں۔ بلکہ بڑی تجویز سے ایسا بنتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان میں دوچیزیں ہیں ایک روح اوردوسرا جسم ۔ روح اُس کو زندہ رکھتی ہے جسکے جدا ہونے کے بعد جسم بے حس ہوجاتا اورسڑجاتا ہے۔ انسان کی اصلی ماہیت اورمنزلت کوکلامِ الہٰی نے یوں ظاہر کیا ہے

(۱) اُسکی بناوٹ اعلیٰ اورخاص طور سے ہوئی ۔پیدائش ۱: ۲۷ خدا نے انسان کواپنی صورت پرپیدا کیا۲: ۷ اورخداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اوراُس کے نتھنوں میں زندگی

کا دم پھونکا سوآدم جیتی جان ہوا۔ واعظ ۱۲: ۷ اُس وقت خاک سے خاک جاملیگی جس طرح آگے ملی ہوئی تھی اورروح خدا کے پاس پھر جائیگی جس نے اُسے دیا۔ افسیوں ۴: ۲۴۔ اورنئی انسانیت کوجوخدا کے موافق راستبازی اورحقیقی پاکیزگی میں پیدا ہوئی پہنو۔(۲) انسان میں روح مادنی نہیں ہے بلکہ روح جس میں گوشت اورہڈی نہیں ہے اورذی عقل ہے۔ اوراسی لئے اس میں اوردیگر حیوانوں میں تمیز کی گئی ہے۔ ایوب ۳۵: ۱۱۔ جومیدان کے چرندوں سے ہم کو زیادہ سکھلاتااورآسمان کے پرندوں سے ہمیں زیادہ دانشمند کرتا ہے۔ زبور ۳۲: ۹۔ تم گھوڑوں اورخچروں کی مانند مت ہوکہ اُن کوسمجھ نہیں (۳) انسان کوبھلائی اوربُرائی کی تمیز بخشتی۔دیکھو پیدائش ۲: ۱۶، ۱۷ اورپھر رومیوں ۲: ۱۵۔ وہ اُس کام کوجس سے شریعت کا مقصد ہے اپنے دلوں میں لکھا ہوا دکھاتے ہیں اوراُن کی تمیزبھی گواہی دیتی اوراُن کے خیال آپس میں الزام دیتے یا عذرکرتے ہیں۔(۴)انسان کی روح غیر فانی ہے۔ یعنی موت کے وقت مرنہیں جاتی لیکن خدا کے پاس پھر جائیگی جس نے اُسے دیا(واعظ ۱۲: ۷) پھر سیدنا مسیح فرماتے ہیں کہ وہ جوجسم کوقتل کرسکتے ہیں روح کو قتل نہیں کرسکتے۔(متی ۱۰: ۲۸)۔ پھر ہمیشہ کی زندگی کے وعدوں اور ہمیشہ کی موت کی دھمکیوں سےبھی روح کوبقا ظاہر کی گئی (مرقس ۱۶: ۱۶)۔

ایسی اعلیٰ سرشت انسان کیوبخشی؟ اس لئے کہ وہ خدا کی مرضی بجالانے کے قابل ہوجیسالکھا ہے کہ خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنائیں۔ کہ وہ سمندرکی مچھلیوں پراورآسمان کے پرندوں پر اور موایشیوں پر اورتمام زمین پر اورسب کیڑے مکوڑوں پرجوزمین پر رینگتے ہیں سرداری کریں۔پیدائش ۱: ۲۶۔ اورایک ہی لہو سے آدمیوں کی سب قومیں تمام زمین کی سطح پر بسنے کے لئے پیدا کیں اور مقرروقتوں اوراُن کی سکونت کی حدوں کوٹھہرایا تاکہ خداوند کو ڈھونڈیں شائد کہ ٹٹولکر اُسے پائیں اگرچہ وہ ہم میں کسی سے دورنہیں (اعمال ۱۷: ۲۶، ۲۷)۔ حقیقت میں وہ دُورنہیں ہے کیونکہ ہم اپنے اندراورباہر اُس کےکاموں پر غورکرنے سے اُس کی ازلی قدرت اورخدا ئی معلوم کرتے ہیں۔ پس خدا نے انسان کو ایسی حکمت سے اس غرض کے لئے بنایا تھا اورہم نے پہلے حصہ کے دوسرے باب کی دوسری فصل میں معلوم کیا کہ انسان اپنی ایسی فطرت کی وجہ سے اس زمین پر کیسے

کیسے کام کرتا رہا ہے۔ غرضکہ اس بات میں بھی خدا کے کام اوراس کا کلام متفق ہیں کہ انسان کو خدا نے اعلیٰ بنایا اوراُسے ذی عقل پیدا کیا۔ اوراس میں خدا کی قدرت اورحکمت اوردُور اندیشی زیادہ ترنمایاں ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس طرح انسان خدا کی پہچان کو کھوبیٹھا تھا اسی طرح اُس کو اپنا بھی پتا نہ رہا۔ توجس طرح خدا نے اپنے کلام کے ذریعہ اپنی بابت انسان کوبتلایا ویسے ہی اُس کو یہ بتلایا کہ آدم زاد کیا ہے۔ یعنی انسان کے لئے زندگی اور بقا کو انجیل سے روشن کردیا۔ ۲تمطاؤس ۱: ۱۰۔ ایسا کہ اب انسان جان سکتا ہے کہ خدا کیا ہے اوریہ بھی کہ انسان کیا ہے۔ دونوں بڑی باتیں ہیں۔ اورانسان کونہ چاہیے کہ ان میں سے کسی سے بے پرواہ رہے۔"آدمی کوکیا فائدہ ہے اگرتمام جہان کو حاصل کرے اوراپنی جان کھودے؟پھرآدمی اپنی جان کے بدلے کیا دے سکتا ہے؟متی ۱۶: ۲۶۔ اورخدا کی بات یہ گمان نہ کرے کہ خدا کہاں ہے میں اُسے نہیں دیکھتا۔ اورنہ اس کو سونے وروپے یا پتھر کی مانند خیال کرے۔(زبور ۴۲: ۱۰۔ اعمال ۱۷: ۲۹)۔

کئی ایک باتیں ہیں جن میں انسان اورحیوان یکساں معلوم ہوتے ہیں مگرجب انسان میں روحِ ناطق اورقوائے مدرکہ اوراخلاقیہ دیکھے جاتے ہیں تووہ یکسانی ٹھہر جاتی ہے اورفرق آسمان وزمین کا ہوجاتا ہے۔اورجس سے لازمی نتیجہ یہ ہاتھ آتا ہے کہ خالق انسان سے کچھ زیادہ طلب کرتا ہے جو حیوان سے مطلوب نہیں ہے۔ ہاں یہ مطلب ہے کہ" گھوڑوں اورخچروں کی مانند مت ہو کہ اُن کو سمجھ نہیں"زبور۳۲: ۹، بلکہ نئی[1] انسانیت کوجومعرفت میں اپنے پیدا کرنے والے کی صورت کے موافق بن رہی ہے پہنو"(کلسیوں ۳: ۱۰۔ اورفضل کے لئے خدا کی تعریف اورشکرگزاری یوں کروکہ۔

" اب ازلی بادشاہ، غیرفانی ، نادیدنی ،واحد ، حکیم خدا کی عزت اورجلال ابدلاآباد ہوئے آمین"(۱تمطاؤس ۱: ۱۷)۔

خدا کے پرستار تمام منکروں اوربُت پرستوں کے برخلاف خوب خوشی کے ساتھ خدا کی یوں حمد کریں۔

---

[1] نئی انسانیت یعنی پاکیزگی اورفضل الہٰی کا جس سے نجات ہے اس رسالہ کے دوسرے اورتیسرے مقصد میں بیان ہوچکا ہے۔

زبور ۱۱۵

۱۔ نہ ہم کو رب نہ ہم کو یاہ
پر اپنے نام کو دے
جلال بواسطہ وفا
اور اپنی رحمت کے

۲۔ کسی واسطے قومیں یوں کہیں
کہاں ہے اُن کا رب ؟
ہمارا رب آسمان پر ہے
جو چاہا کیا سب

۳۔ ہیں سونا چاندی اُن کے بُت
سب کام انسانوں کے
منہ رکھتے پر نہ بولتے ہیں
نہ دیکھتے آنکھوں سے

۴۔ گو کان اور ناک اور ہاتھ اور پیر
وہ سب کچھ رکھتے ہیں
پر سننا، سونگھنا، چھُونا، سیر
نہ کچھ کر سکتے ہیں

۵۔ نہ اپنے گلے سے آواز
نکالتے ذرہ بھی
جو مانتے اور بناتے بُت
ہیں مانند اُن ہی کی

۶۔ پر اب سے لے ہمیشہ تک
ہم سب خداوند کو
مبارک بادی دینگے
ستائش اُس کی ہو

اب ہمارے آقا ومولا سیدنا عیسیٰ مسیح کا فضل
خدا باپ کی محبت اور روح قدس کی شراکت خدا کے سب
مقدسوں کے ساتھ ہوئے آمین۔

راقم ۔ جی ۔ ایل ۔ ٹھاکر داس ۔ گجرانوالہ جون ۱۸۹۱ء